ایڈیٹر
وہاب صدیقی

ایسوسی ایٹ ایڈیٹر
واحد بشیر

قلم نگار:
حسین نقی
شبیہ الحسن

طنز و مزاح
امر جلیل
ابو ضیا اقبال

اسلام آباد
حمید شیراز

صوبائی نمائندے
احسان عظیم
سندھ مقیم حیدرآباد
کاشف
پنجاب مقیم لاہور
شہزاد غزنوی
سرحد مقیم پشاور
ناصر عرفات
بلوچستان مقیم کوئٹہ

انتظامی امور
وقیع احمد صدیقی

آرٹسٹ
سعید الدین

خاص مضامین

خدا کی بستی کے مظلوم عوام کا ترجمان

ہفت روزہ الفتح
کراچی

۲۰-۱۳ جنوری ۱۹۷۸ء	جلد: ۸ شمارہ: ۳۶	ٹیلیفون ۴۳۲۲۷۴	قیمت ۳ روپے

ضلعی نمائندے

○ ناصر خان، میرپورخاص ○ ایاز سندھی، سانگھڑ ○ ابراہیم عباسی، خیرپور، سکھر، جیکب آباد، لاڑکانہ
○ کامل سموں، ٹنڈوالہیار ○ شفیق ملک، ملتان ○ فاروق طارق، شیخ شوکت علی، فیصل آباد، گوجرانوالہ ○ محمد افضل جنجوعہ
○ قاضی غیاث الدین جانباز شیخوپورہ، ٹوبہ ٹیک سنگھ ○ احمد حسین، گوادر ○ روشن ملک میانوالی ○ سید نذیر گیلانی آزاد کشمیر

غیر ممالک

■ پیکنگ، رشید بٹ ■ ماسکو، محمد زاہد ■ کینیڈا، سید ابن سعود ■ لندن، عبدالحفیظ قریشی
■ متحدہ عرب امارات مقیم دبئی، غلام جیلانی

ارشاد راؤ پبلشر نے ناظر پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر دفتر ہفت روزہ الفتح ۶۹-۵ ڈی نرسری کمرشل ایریا۔ پی، ای، سی، ایچ، ایس کراچی ۲۹ سے شائع کیا

قومی ضمیر پر ضربِ کاری

جنوری ۱۹۵۳ء اور جنوری ۱۹۷۸ء کے درمیان پچیس برسوں کا فاصلہ ہے۔ لیکن ثابت یہ ہوا ہے کہ یہ فاصلہ صرف شب و روز کے شمار کا فاصلہ ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اس ملک کے محنت کش عوام جس ظلم و جبر کا شکار پچیس سال پہلے تھے آج بھی اسی کا شکار ہیں۔ ۸ جنوری ۱۹۵۳ء کو کراچی کے طلبا کے لہو سے ہولی کھیلی گئی تو اس میں ایک رکشہ ڈرائیور، ایک گمنام پٹھان مزدور اور ایک ڈرائی کلیننگ کی دوکان کے ملازم کا لہو شامل تھا۔ اور ۲ جنوری ۱۹۷۸ء کو جب کالونی ٹیکسٹائل ملز ملتان کے مزدوروں کو ان کے اپنے خون میں ڈبو دیا گیا۔ تو اس میں اسکول کے دو طلبا کا خون بھی شامل تھا۔

اکثر لوگوں نے ان واقعات کو سانحے اور المیے قرار دیا اور ان کے ذمہ داروں کو قرار واقعی سزا دینے کا مطالبہ کیا۔ ہم اس مطالبے کی حمایت کرتے ہیں۔ ساتھ ہی یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ان خونیں واقعات کو سانحے اور المیے کہنا درست نہیں۔ سانحے اور المیے تو اتفاقی ہوتے ہیں، انسانی قبضہ و اختیار سے باہر عوامل یا غلطی سے وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ طلبا، مزدوروں، کسانوں اور دوسرے محنت کرنے والے لوگوں کے خلاف اس جرم میں طاقت کا استعمال کرنا کہ وہ اپنے مطالبات منوانے کے لئے صدائے احتجاج بلند کرتے ہیں، نہ اتفاقی امر ہے، نہ انسانی اختیار سے باہر عوامل اس کے ذمہ دار ہیں نہ ہی یہ کوئی نادانستہ غلطی ہے۔

ان واقعات کے پیچھے ایک مذموم اور انسانیت دشمن ذہنیت کار فرما ہے جو سامراجی آقا اپنے جانشینوں کے لئے ورثے میں چھوڑ گیا ہے۔ اس ذہنیت کا سدِّباب گولی چلانے یا گولی چلانے کا حکم دینے والوں کو سزا دینے سے نہیں ہوگا۔ ویسے بھی ۱۹۵۲ء کے ڈھاکہ کے قتلِ عام سے لے کر آج تک مختلف اوقات اور مختلف مقامات پر ہونے والے قتلِ عام میں کبھی کسی کو سزا ہوئی؟

غور طلب بات یہ ہے کہ یہ واقعات کیوں وجود میں آتے ہیں۔ ہمارے نزدیک اس کی بنیادی وجہ نجی ملکیت کا موجودہ نظام اور مراعات یافتہ طبقات کی بالا دستی کو بزور قائم رکھنے کی سوچی سمجھی حکمتِ عملی ہے۔ اس حکمت عملی پر عمل درآمد کن اداروں کے توسط سے ہوتا ہے وہ سب کو معلوم ہے۔

ملتان کا حالیہ قتلِ عام قومی ضمیر کے لئے ایک ضرب ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ ذاتی مفاد اور ذاتی منفعت رکھنے والے کوئی ضمیر نہیں رکھتے۔ ان کے نزدیک انسانی زندگی ایک مشین کے برابر بھی حیثیت نہیں رکھتی۔ ہم ان سے انسان دشمنی کے علاوہ کسی بات کی توقع نہیں رکھتے۔ یہ واقعہ تو ایک سوال بن کر ان کے سامنے کھڑا ہے۔ جو خود ظلم کی چکی میں پس رہے ہیں۔

ملتان، جلیانوالہ باغ کیسے بنا

ناصر زیدی

۱۹۷۸ء کا سال پورے ملک کو ایک نئے بحران میں مبتلا کر گیا۔ حکمرانوں کے آپس کے تضادات سے جمہوری عمل رک گیا۔ نہ صرف جمہوری عمل رکا بلکہ غریبوں، مزدوروں، کسانوں کے لئے نئی مشکلات پیدا کر گیا۔ افراطِ زر، منافع خوری اور رشوت ہماری معیشت میں سرایت کر گئی۔ پُرانا سال ہنگاموں سے پُر تھا۔ بے چینی میں وسعت پیدا ہوئی۔ سارے ملک کی فضا ساکت ہو گئی۔ یہی خاموشی تباہی کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔

ملتان میں ۱۹۷۸ء کا سورج تباہی، خونریزی اور غریبوں کی ہلاکت کے ساتھ اُبھرا۔ کئی مزدوروں کے گھر اُجڑ گئے۔ معصوم بچے یتیم ہو گئے۔ عورتیں بیوہ ہو گئیں۔ غرض کہ موت سستی ہو گئی۔ مزدوروں پر بہیمانہ فائرنگ کی گئی۔ سرکاری اطلاعات کے مطابق ۱۴ مزدور ہلاک ہوئے زخمی ہونے والوں کی تعداد کا تعین نہیں کیا جا سکا۔ غیر سرکاری اطلاعات کے مطابق ہلاک شدگان کی تعداد سرکاری اعلان سے کہیں زیادہ ہے۔ یہ سب کچھ ملتان کے سب سے بڑے ٹیکسٹائل ملز کالونی میں ہوا۔

مسئلہ کیا تھا

کالونی ٹیکسٹائل ملز ملک کی چند بڑی ملوں میں شمار ہوتی ہے۔ تقریباً بارہ ہزار مزدور اس مل میں کام کرتے ہیں۔ مزدوروں کو ہر سال مالک ساڑھے تین ماہ کا بونس ادا کرتے تھے۔ اس دفعہ مالک نے مزدوروں کو بونس دینے سے انکار کر دیا اور وہ سہولتیں بھی واپس لے لیں جو پہلے سے مزدوروں کو حاصل تھیں۔ مزدوروں نے اس پر احتجاج کیا لیکن میاں مغیث اے شیخ نے مزدوروں کے احتجاج کو نظر انداز کر دیا اور دھمکی دی کہ وہ انہیں سیدھا کر دے گا۔ کافی عرصہ تک مصالحتی بات چیت ہوتی رہی حتیٰ کہ لیبر ڈیپارٹمنٹ نے بھی مطالبات کو جائز قرار دے دیا۔ مزدوروں کے مطالبات میں بونس کی ادائیگی کے علاوہ ایک ماہ کا تفریحی الاؤنس اور چھٹیوں کا مسئلہ بھی شامل تھا۔

ملز انتظامیہ کی سازش

انتظامیہ نے مزدوروں کے مطالبات کو تسلیم کرنے کی بجائے جابرانہ ہتھکنڈے استعمال کرنے شروع کر دیئے۔ مزدور متحد اور منظم تھے۔ کوشش کی گئی کہ اتحاد کو پاش پاش کر دیا جائے۔ چمچہ یونین کے ساتھ معاہدہ کیا کہ جنوری کے آخر میں مزدوروں کو دو ماہ کا بونس ادا کر دیا جائے گا۔ مزدوروں کی بھاری اکثریت نے اپنے آہنی اتحاد سے اس کوشش کو بھی ناکام بنا دیا۔

ہڑتال

۲۹ دسمبر کو مزدوروں نے انتظامیہ کی ہٹ دھرمی کے باعث کام بند کر دیا۔ لیکن ڈیوٹی باقاعدگی سے ادا کرتے رہے۔ ایک شفٹ اپنی ڈیوٹی پر جاتی تو ڈیوٹی ختم کرنے والی شفٹ کالونی میں موجود رہتی۔ کسی قسم کی توڑ پھوڑ یا اشتعال انگیزی نہیں ہوئی۔ حالات پوری طرح پُرامن تھے۔ انتظامیہ کے غنڈوں نے اپنی بھرپور کوشش کی کہ حالات خراب ہو جائیں لیکن مزدوروں نے انتہائی صبر و تحمل سے اشتعال انگیزی کو برداشت کیا۔ چار روز تک پُرامن طریقے سے مزدور اپنی ڈیوٹی سرانجام دیتے رہے۔

مصالحتی بات چیت

اسی دوران محکمہ محنت، مارشل لاء حکام اور انتظامیہ کی طرف سے مصالحتی بات چیت شروع ہوئی۔ بات چیت چار روز تک جاری رہی۔ آخر طے پایا کہ انتظامیہ سوا دو ماہ کا بونس ادا کرے گی۔ لیکن کام بند رہنے کے دنوں کی تنخواہ ادا نہیں کرے گی۔ مزدوروں کا مؤقف تھا

کہ کام انتظامیہ کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے بند ہوا ہے لہٰذا مزدوروں کو پانچ دنوں کی تنخواہ بھی ادا کی جائے۔

دہشت گردی کی ابتدا

ادھر مزدوروں کے ساتھ مصالحتی بات چیت ہو رہی تھی تو دوسری طرف انتظامیہ ضلعی انتظامیہ سے مل کر اندر ہی اندر منصوبہ سازی میں مصروف تھی جب مل میں کام بند ہوا مل کو چاروں طرف سے پولیس نے گھیر لیا مزدور مل میں محبوس ہو کر رہ گئے۔ مزدور نمائندوں کے مطابق پولیس نے کسی بھی مزدور کو باہر آنے کی اجازت نہیں دی اور نہ ہی کسی کو باہر سے اندر جانے کی اجازت دی۔

پانچویں روز ۲ جنوری کو پولیس کی نقل و حرکت میں خاصی پُراسراریت پیدا ہو گئی اور ایسا محسوس ہوتا تھا کہ پولیس مزدوروں کے خون سے ہولی کھیلنے کی منصوبہ بندی کر رہی ہے۔ مل کی چھتوں پر تقریباً بارہ بجے مسلح پولیس کے دستوں نے پوزیشن سنبھال لی۔ اور نیچے آہنی لاٹھیوں سے مسلح جوان چاق و چوبند ہو گئے۔ جونہی مزدوروں کے نمائندے مصالحتی بات چیت سے مزدوروں کو آگاہ کرنے کے لئے مل کے احاطے کے اندر پلاٹ میں آئے تو مزدوروں کی خاصی بڑی تعداد تفصیلات معلوم کرنے کے لئے پلاٹ میں اکٹھی ہو گئی۔ ابھی مزدور نمائندے تفصیلات بتانے ہی والے تھے کہ پولیس کے اعلیٰ حکام نے مزدوروں کو منتشر ہونے کے لئے کہا اس پر مزدوروں نے کہا کہ وہ مل کے احاطہ میں جمع ہیں جہاں دفعہ ۱۴۴ کا نفاذ نہیں ہو سکتا۔ اس لئے ہمارا یہ اجتماع کسی بھی صورت میں غیر قانونی نہیں ہے۔ پولیس اور مزدوروں کے درمیان تلخ کلامی شروع ہو گئی۔ پولیس کا رویّہ انتہائی جابرانہ تھا۔ اسی اثنا میں انتظامیہ کے غنڈوں نے جن کی سرکردگی شیخ رشید کر رہا تھا مزدوروں پر پستول سے فائر کر دیا جس سے مزدوروں کے مطابق تین مزدور موقع پر ہلاک ہو گئے۔ ساتھیوں کے خون آلود جسم کو تڑپتا ہوا دیکھ کر مزدور مشتعل ہو گئے۔ اشتعال کے باوجود مزدوروں نے پہل نہیں کی لیکن پولیس نے فوراً ہی بغیر کسی وارننگ کے لاٹھی چارج شروع کر دیا۔ جب نہتے مزدور لاٹھی چارج کے باعث منتشر ہونا شروع ہوئے تو چھتوں پر پوزیشن سنبھالے ہوئے مسلح دستوں نے فائرنگ شروع کر دی۔

بس پھر کیا تھا پورا میدان قیامت کا منظر پیش کر رہا تھا۔ چاروں طرف لاشیں ہی لاشیں تھیں، خون ہی خون، پولیس کالونی مل فتح کر چکی تھی۔ فائرنگ کا سلسلہ ۲½ بجے سے پانچ بجے تک جاری رہا۔

فائرنگ کی خوفناکی کا اندازہ اس سے لگائیے کہ پلاٹ کے نزدیک ہی بچوں کا سکول ہے۔ فائرنگ کے دوران ہی بچوں کو چھٹی ہوئی۔ غیر سرکاری اطلاعات کے مطابق دو بچے موقع پر ہلاک ہوئے۔ سکول کا چوکیدار بھی زخمی ہوا۔ غیر مصدقہ اطلاعات ہیں کہ اس وحشیانہ فائرنگ میں دو سے زائد بچے ہلاک ہوئے ہیں۔
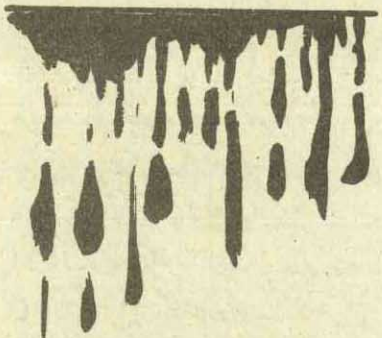
ملتان فائرنگ سیاست نہیں، فسطائیت کا بدترین مظاہرہ

مل کی فضا سوگوار تھی۔ عورتیں بین کر رہی تھیں بچے رو رہے تھے۔ ایک کہرام بپا تھا۔ عورتوں اور بچوں کا ہجوم اپنے باپوں بیٹوں اور خاوندوں کے لئے بے چین تھا۔ ہر عورت کے چہرے سے غم و یاس عیاں تھا۔ ایک عورت کو میں نے چیختے ہوئے دیکھا۔ میں جب اس کے نزدیک پہنچا تو لوگوں نے بتایا اس کا نوجوان بیٹا مارا گیا۔ عورت بین کر رہی تھی۔ میں نے اسے کہتے سنا۔ "یارب تو نے یہ کیسا ملک بنایا ہے اپنے ہی خون کے پیاسے ہیں۔ کیسا ہی اللہ کا انصاف ہے۔ میں کیا کروں میرے اللہ میرا تو ایک کماؤ تھا۔ وہ بھی "انصاف" کی نذر ہو گیا۔ اللہ تو بے انصاف ہے۔ یہ تو نے کیا کر دیا۔"

عورت کی چیخ و پکار، درد بھرے بین لوگوں کو رُلا رہے تھے۔ ایک آنسو بہاتی عورت نے مجھے بتایا کہ "اس عورت کے چار بیٹے ٹی بی کے مریض ہیں۔ وہ بستر مرگ پر ہیں مرنے والے جیلے کی شادی کو ابھی ایک سال ہی ہوا تھا کہ اس کی جوان بیوی کا سہاگ لٹ گیا"۔ ہزاروں عورتیں غم و غصہ سے پولیس تشدد کے خلاف نعرے لگا رہی تھیں۔ ایک بوڑھا جو چل بھی نہیں سکتا تھا کہہ رہا تھا۔ "بیٹے کہتے تھے بھٹو کے بعد سکھ ہو گا۔ ہم تو قیامت، مصیبتوں اور ستم گری میں پھنس کر رہ گئے ظلم بڑھتا ہی جا رہا ہے۔" ایک جوان جس کی آنکھوں سے عزم جھلکتا تھا جذباتی انداز میں میرا گریبان پکڑ کر کہتا ہے "اخبار والے جو کچھ ہو رہا ہے وہی کچھ لکھنا۔" اگر "کوئی مصلحت ہو تو کچھ مت لکھیو یہ سب کچھ تاریخ کا حصّہ بن جائے گا۔ جدوجہد کی راہ ہے۔ ہم بڑھتے ہی رہیں گے۔ "جذبوں کو کوئی شکست نہیں دے سکتا"۔

شاہراہِ پاکستان پر ہزاروں افراد کے جمع ہونے سے مظفر گڑھ کراچی ٹریفک معطل ہو گئی۔ یہاں بھی لاٹھی چارج کیا گیا۔ کچھ عرصہ کے لئے سڑک صاف ہوئی۔ لیکن رات ۸ بجے کے قریب پھر روڈ بند کر دی جو صبح تین بجے کھول دی گئی۔

اس دوران کئی عینی شاہدوں کے مطابق پولیس لاشوں کو ٹھکانے لگاتی رہی۔ زخمیوں کو ہسپتال میں داخل کیا گیا ہے جب کہ بے شمار ایسے زخمی بھی میں نے دیکھے جو ابھی تک ہسپتال نہیں گئے۔ عورتیں اور بچے اپنے بھائیوں بیٹوں، باپوں اور خاوندوں کے انتظار کی راہیں تک رہی ہیں۔ لاتعداد لوگ اپنے رشتہ داروں کی تلاش میں ہسپتالوں اور پولیس اسٹیشنوں کا چکر لگا رہے ہیں سرکاری طور پر جن افراد کی ہلاکت کا اعلان کیا گیا ہے ان میں ارشاد احمد، قاسم علی، جاوید اقبال، محمد ریاض، عظیم طفیل، خورشید، تاج محمد، ابرار حسین، طالب حسین، عبدالقادر، کرامت حسین اور ایک نامعلوم مزدور شامل ہے ان ہلاک شدگان میں سے چار مزدور مل کی کینٹین کے مینجر رشید صمد یار خان کی فائرنگ سے شہید ہوئے۔ شہید ہونے والے مزدوروں میں ایک تاج محمد عرف تاجو یتیم نوجوان تھا جس کا باپ کافی عرصہ پہلے فوت ہو گیا تھا۔ اس کی عمر ۱۹ سال کے قریب تھی۔ اس کی ایک بیوہ ماں اور چار چھوٹے بہن بھائی ہیں۔ یہ

شہید مزدور اپنے خاندان کا واحد کفیل تھا۔ کچھ عرصہ قبل زنگ کھاتہ میں بھرتی ہوا تھا۔ ستم ظریفی یہ کہ اس کی لاش شام تک دفنائی نہ جا سکی کیونکہ اس کی بیوہ ماں کے پاس اپنے جانِ ہار کے لئے دفنانے کو کفن تک کے پیسے نہ تھے۔ اسی طرح ابرار حسین کی میّت بھی سپردِ خاک نہ ہو سکی۔ کیونکہ اس کی بیوہ کے علاوہ اس کا کوئی اور رشتہ دار نہ تھا۔ یہ دونوں لاشیں شام تک اپنے گھروں میں رکھی رہیں۔ جو ملز کے سامنے انارکلی بازار کے شمال میں مزدوروں کی بستی رشید آباد میں واقع ہیں۔ بعد میں ان مزدوروں کے ساتھیوں نے اپنے شہید مزدوروں کے لئے کفن کا انتظام کیا۔ تیسرا نوجوان مزدور طالب حسین بھی رشید آباد کا رہنے والا ہے۔ اس کا باپ اپنے تین چار دوستوں کے ساتھ حج پر گیا ہوا ہے۔ طالب حسین کی عمر ۲۲ سال ہے۔ طالب حسین کی شادی کچھ ہی عرصہ قبل ہوئی تھی۔ طالب حسین اپنے پیچھے ایک چھ ماہ کے بچے اور ایک بیوہ کو چھوڑ گیا ہے۔ طالب حسین کی بیوہ اپنے مُنّے کو گود میں لئے ہوئے کبھی طالب کی طرف دیکھتی، کبھی بچے کی طرف۔ مزدور ساتھیوں کی عورتیں اور بہنیں اُسے دلاسہ دے رہی تھیں۔ بڑا رقّت آمیز منظر تھا۔ ہر عورت، ہر مزدور اشک بار تھا۔ یوں لگتا تھا کہ اب جذبوں کو قید نہ کیا جا سکے گا۔ نوجوان طالب حسین کی موت کے عینی شاہدوں کے مطابق طالب حسین کی شہادت کینٹین مینجر رشید کے پستول کی گولی لگنے سے ہوئی۔ طالب حسین ملز میں واقع مارکیٹ میں موجود تھا۔ جہاں کینٹین مینجر رشید اور صابر بیدار خان نے اس پر فائرنگ کی، گولی اُس کی شہ رگ پر لگی اور وہ جوان ہمیشہ کے لئے امر ہو گیا۔ بتایا گیا کہ طالب حسین کا والد اور رشید گہرے دوست تھے۔ جب رشید نے طالب حسین پر فائرنگ کرنے کی کوشش کی تو طالب حسین نے اُسے چچا کہہ کر پکارا لیکن سرمایہ دار کا دلال اوپر والوں کے حکم پر سب کچھ کر گیا۔ "دولت رشتوں اور دوستیوں کو نہیں دیکھتی۔ رشتے سب عارضی ہوتے ہیں۔" طالب حسین انتہائی زخمی حالت میں ایک دفعہ گرا پھر یکلخت کھڑا ہو گیا۔ مزدوروں کی طرف دیکھ کر مزدور اتحاد زندہ باد کا نعرہ لگایا اور اپنے لہو سے انگلی ڈبو کر کینٹین کی دیوار پر اپنے قاتل کا نام شیخ ۔۔۔ ر ۔۔ لکھ دیا۔ اور دیوار کے نیچے ہی دم توڑ دیا۔ انتظامیہ اور پولیس نے وہ نام مٹانے کی کوشش کی لیکن وہ اپنی اس کوشش میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ قاتل کا نام واضح طور پر آج بھی دیوار پر لکھا ہوا ہے۔

طالب حسین تڑپ رہا تھا کہ ادھر پولیس نے بھی اپنی کارروائی شروع کر دی۔ پولیس کی گولیوں کی بوچھاڑ سے کئی مزدور موقع پر ہلاک ہو گئے۔ سینکڑوں مزدوروں کو گولیاں لگیں۔ مزدور اپنے آپ کو بچانے کے لئے مارکیٹ کی طرف آئے۔ پولیس پیچھا کرتے ہوئے وہاں بھی پہنچ گئی۔ ہم نے دیکھا کہ مارکیٹ کا صحن اور
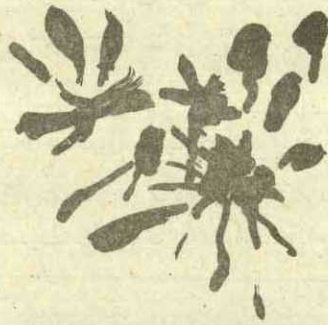
مزدوروں کے خلاف خونی انتقام انتظامیہ اور سرمایہ دار کی سازش تھی

دیواریں مزدوروں کے خون سے رنگین تھیں۔ چاروں طرف خون ہی خون تھا۔ میں یہ منظر دیکھ کر سوچتا رہا کہ اتنی بڑی کارروائی آخر کیسے ہوئی۔ کیا صرف پولیس کی کارروائی تھی یا اس کے ذمہ دار صرف پولیس والے ہی ہیں۔ میرا ذہن واقعات کے قلابے ملاتا رہا۔ یہ سلسلہ دور تک چلا گیا۔ قاتل واضح ہے لیکن کیا کروں لکھ نہیں سکتا۔ کہ وہ کون ہے لیکن تاریخ تو کسی کو معاف نہیں کرتی۔ قاتل کا نام تاریخ میں رقم ہو چکا ہے جسے مٹایا نہیں جا سکتا۔ یہاں سے مزدوروں نے طالب حسین کو اٹھایا، اور گھر پہنچایا۔ گھر میں کہرام مچ گیا۔ طالب حسین کا بوڑھا دادا اپنے جوان پوتے کی لاش دیکھ کر اپنے حواس کھو بیٹھا اور جواسی میں حکمرانوں کو گالیاں دینے لگا۔ لیکن اب اس کی چیخیں فضاؤں میں ہی معلق رہیں گی۔ ان تین مزدوروں کے علاوہ نوجوان اپرنٹس کرامت علی بھی اسی مارکیٹ میں گولی کا نشانہ بنا۔ وہ کالونی ملز کے "سنتری" کا بڑا بیٹا تھا۔ دو سال قبل اس نے میٹرک کا امتحان پاس کیا اور اپرنٹس کے طور پر ملز میں بھرتی ہو گیا۔ گذشتہ روز وہ اپنے کسی عزیز سے مل کر آیا تھا۔ وہ اپنے عزیز کو خط لکھ کر اسے پوسٹ کرنے کے لئے پوسٹ بکس کی طرف جا رہا تھا۔ لوگوں نے اُسے روکا کہ تم اُدھر مت جاؤ پولیس تشدد کر رہی ہے لیکن موت اس جوان کو اس طرف لے گئی۔ وہ مارکیٹ کے دروازہ پر باوردی نشانہ بازوں کی بربریت کا شکار ہوا۔ کچھ لوگوں نے اُسے تڑپتا ہوا اٹھایا۔ اس کا گھر غریب آباد میں تھا۔ لوگ اسے گھر کی طرف لے جانے لگے کہ اسی اثنا میں قانون نافذ کرنے والے اداروں نے ملتان شہر کو جانے والے تمام راستے مسدود کر دیئے۔ لوگ اس کو نشتر ہسپتال لانا چاہتے تھے لیکن پولیس نے انہیں اس طرف نہ آنے دیا۔ زیادہ خون بہہ جانے کی وجہ سے کرامت مظفر گڑھ ہسپتال میں دم توڑ گیا۔ جب میں اُس مزدور کے گھر پہنچا تو اس کے عزیزوں نے مجھے بتایا کہ گذشتہ رات بارہ بجے کرامت دم توڑ گیا تو ڈاکٹروں نے انہیں کہا کہ وہ یہیں کسی جگہ سو رہیں۔ اگلے روز پوسٹ مارٹم کے بعد لاش انہیں دے دی جائے گی۔ لیکن رات ایک بجے کے قریب کچھ آفیسر ہسپتال آئے اور انہوں نے کہا کہ لاش کو دفنانے کا انتظام ہو گیا ہے۔ کیونکہ "اوپر" سے یہی حکم آیا ہے لیکن اس پر جب کرامت علی کے والد شرکت علی نے احتجاج کیا اور کہا کہ "ظالمو اس کی ماں بہن اپنے جوان بیٹے بھائی کا منہ دیکھنا چاہتی ہیں۔ وہ بے چین ہیں تم یہ کیا کرتے ہو۔" لیکن افسروں نے اس کی ایک نہ سُنی اور زبردستی اُس غریب کو چپ کرانے کی کوشش کی۔ یہ تین چار شقی القلب افسران تین چار گاڑیوں میں ہسپتال آئے تھے۔ پولیس کانسٹیبلوں کو حکم دیا کہ وہ لاش اٹھائیں۔ باپ چیختا رہا۔ خدا اور رسولؐ کا واسطہ دیتا رہا۔ علی اکبرؓ کا واسطہ کربلا کے شہداؑ کا واسطہ دیا لیکن بے سود۔ لاش کو گاڑی میں رکھ کر یہ افسر اور سپاہی چھ سات میل دور ایک

میںجو شیخ رشید نے نشانے باندھ کر تین قتل کئے

بستی بگا شیر پہنچے. جہاں ایک درخت کے نیچے انہیں بٹھایا گیا. قبر کھود دی گئی. بیس آدمیوں کے سامنے لاش کو قبر میں دفنا دیا گیا۔ اور صبح چھ بجے انہیں مظفر گڑھ سے واپس بھیج دیا۔ آج اس عظیم مزدور جس نے جدوجہد کے راستے میں اپنی قربانی دی ہے کے گھر ایک کہرام بپا تھا۔ اس کی غمزدہ بہن اور چار بجے بعد دوپہر جب سیالکوٹ سے بستی پہنچے تو کوئی شخص بھی اپنے آنسو نہ روک سکا.

آج اخبار نویسوں کے ساتھ میں بھی وہ جگہ دیکھنے گیا جہاں میدان کارزار بنایا گیا تھا اور نہتے مزدوروں کو چاروں طرف سے گھیر کر فائرنگ کی گئی تھی۔ آج بھی مسجد سے ملحقہ گراؤنڈوں، سڑکوں، مارکیٹ میں جگہ جگہ انسانی خون پھیلا ہوا تھا۔ اگرچہ ہر چند" کاندوں" نے انسانی خون کے ان دھبوں کو مٹی اور پانی سے صاف کرنے کی کوشش کی تھی لیکن زمین اور فضا دونوں انتہائی سوگوار تھیں۔ دھبے صاف نظر آرہے تھے. میں نے اپنے ایک دوست سے سرگوشی کی" بتاؤ کیا اتنے وسیع میدان میں خون کے دھبوں سے یہ اندازہ نہیں لگایا جاسکتا کہ کتنے انسانوں کا خون بہا ہے؟ اس نے مجھے کہا خاموش رہو سب کچھ عیاں ہے۔ اگر تم بھی حقیقت لکھنے لگے تو اس واقعہ کی تحقیقات تو جو ہوگی سو ہوگی تمہیں تو فوراً ہی انصاف مہیا کر دیا جائے گا۔"

مزدور نمائندوں نے بھی کچھ تفصیلات بتائیں انہوں نے کہا کہ پولیس کی گولی سے ایک نمازی وضو کرتے ہوئے زخمی ہوا۔ ایک مولانا نماز پڑھ کر مسجد سے نکل رہے تھے کہ گولی کا نشانہ ہوتے۔ دو بھائی گراؤنڈ میں زخمی ہوئے جن کے رومال خون میں لت پت وہیں پڑے ہوئے تھے۔ مارکیٹ کی دیواروں. بجلی کے کھمبوں پر گولیوں کے نشانات واضح نظر آتے ہیں۔

آج کالونی ٹیکسٹائل ملز کے تمام علاقے میں سراسیمگی کی کیفیت برقرار رہی۔ نواحی بستیوں اور ملز کے گول گراؤنڈ میں مزدوروں عورتوں اور بچوں کے مظاہرے جاری رہے۔ عورتوں کے بین، بچوں کے چہرے غم و غصہ کا اظہار مزدوروں کا جذباتی انداز نئے سلسلوں کو جنم دے رہا ہے گولیوں کی بوچھاڑ میں پلنے والی نئی نسل سرمایہ داروں اور ریاستی تشدد کے حربوں کا مشاہدہ کر رہی ہے۔ نئی نسل میں پلنے والے جذبات واضح کر رہے تھے کہ اب گرتی ہوئی دیواروں کو نہیں بچایا جاسکتا. سرمایہ داروں کو تحفظ نہیں دیا جاسکتا. لگتا ایسے ہے۔

جو دریا جھوم کے اُٹھے ہیں
تنکوں سے نہ ٹالے جائیں گے

مزدور رہنما کہاں ہیں

مزدور نمائندوں نے اخباری کارکنوں کو بتایا کہ بونس کے مسئلے پر ہڑتال یونین کے کہنے پر نہیں ہوئی بلکہ مزدوروں نے مشترکہ ایکشن کمیٹی قائم کی تھی جو اس جدوجہد کی رہنمائی کر رہی تھی۔ اس ایکشن کمیٹی میں چودہ مزدور رہنما شامل تھے۔ جو انتظامیہ سے مصالحتی بات چیت کر رہے تھے لیکن گذشتہ رات سے ان لوگوں کے بارے میں پتہ نہیں کہ وہ کہاں ہیں۔ مزدوروں کو شبہ ہے انہیں گرفتار کر لیا گیا ہے۔ مزدوروں نے سرکاری پریس نوٹ کی بھی تردید کی اور کہا کہ نہ ہی مزدوروں نے پولیس کو گھیرے میں لیا تھا اور نہ ہی مل کی کسی چیز کو نقصان پہنچایا تھا.

اخبارات کی بے حسی

"آج مزدوروں نے اخباروں کی سب سے زیادہ مذمت کی۔ جب اخباری نمائندے مزدوروں کے پاس پہنچے تو مزدوروں نے برملا اخباروں اور اخبار نویسوں کے رویے کی مذمت کی۔ مزدوروں نے کہا کہ ہم نے ہمیشہ اخباری کارکنوں کا ساتھ دیا۔ لیکن مزدوروں کا جب خون بہا اخبار نویس خاموش رہے۔ کالونی ٹیکسٹائل ملز کے مسئلہ پر انتہائی سرد مہری کا رویہ اختیار کیا۔ یکطرفہ موقف شائع کیا۔" —

قومی اتحاد اور رجعت پسندوں کا کردار

قابل غور بات یہ ہے کہ قومی اتحاد کے رہنما اور دیگر رجعت پسند جماعتیں مزدوروں کی پانچ روزہ جدوجہد میں بالکل الگ تھلگ رہیں۔ شہر میں افواہیں پھیلائیں گئیں کہ ہڑتال میں پیپلز پارٹی کا ہاتھ ہے۔ مزدور کو استعمال کیا جارہا ہے۔ مزدور پیپلز پارٹی کے ہاتھ میں کھلونا بنے ہوتے ہیں اور عبوری حکومت کے اقدامات کو ناکام بنانا چاہتے ہیں۔ ایک لیڈر نے جس کا تعلق مومنین کی جماعت اسلامی سے ہے یہاں تک کہا کہ مزدور کام نہیں کرتے نکمے ہیں۔ یہ بیانات فائرنگ سے پہلے اخبارات میں بھی شائع ہوئے جب قتل و غارت گری کی ہولی کھیلی جاچکی تو مگرمچھ کے آنسو بہانے شروع کر دیئے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ شہر کے دوکانداروں کی اکثریت اسی اندوہناک واقعہ کے خلاف احتجاج کے طور پر دوکانیں بند کرنا چاہتی تھی۔ لیکن ان صالحین نے دوکانداروں کی یونین کے اجلاس میں ہڑتال کی مخالفت کرتے ہوئے موقف اختیار کیا کہ مزدوروں کا دوکانداروں سے کیا تعلق ہے.

شہید مزدور جن کا پتہ چل سکا	زخمی مزدور جنہیں ہسپتال میں داخل کیا گیا
۱۔ جمعہ خاں ولد ظہورالدین	۱۔ خادم حسین ولد اللہ بخش
۲۔ ارشاد ولد حبیب اللہ	۲۔ احمد بخش ولد امام بخش
۳۔ قاسم علی ولد علی احمد	۳۔ محمد اقبال ولد تاج
۴۔ جاوید اقبال ولد فقیر محمد	۴۔ رشید احمد ولد نذیر احمد
۵۔ محمد ریاض ولد محمد سعید	۵۔ رحیم بخش ولد غلام سرور
۶۔ محمد عظیم	۶۔ محمد بخش ولد غلام محمد
۷۔ محمد طفیل	۷۔ محمد خورشید ولد عبدالغنی
۸۔ خورشید	۸۔ محمد حسین ولد محمد اسماعیل
۹۔ تاج محمد ولد فیض اللہ	۹۔ جنگ شیر ولد عبدالرشید
۱۰۔ غلام قادر ولد اللہ دتہ	۱۰۔ اسداللہ ولد سمیع اللہ
۱۱۔ طالب حسین ولد خدا بخش	۱۱۔ محمد عتیق ولد فضل دین
۱۲۔ محمد ابرار ولد عابد	۱۲۔ محمد یونس ولد اللہ دتہ
۱۳۔ کرامت علی ولد شوکت علی	۱۳۔ صادق ولد امیر بخش
۱۴۔ ایک فرد ہسپتال میں جاں بحق	

باقی ص ۴۵ پر

ملتان کے سانحہ سے ہمیں کیا سبق ملتا ہے

ملتان میں کالونی ٹیکسٹائل ملز کے نہتے مزدوروں پر وحشیانہ فائرنگ پاکستان کی تیس سال کی تاریخ میں ایک ایسا اندوہناک واقعہ ہے جس کی نظیر نہیں ملتی۔ یہ نہیں کہ اس سے پہلے کارخانہ داروں اور حکام اور پولیس نے اپنی روایتی مزدور دشمنی اور بہیمیت کا مظاہرہ نہیں کیا۔ مزدوروں اور محنت کشوں پر لاٹھی اور گولی کا استعمال تو گویا اس نیم نوآبادیاتی نیم جاگیردارانہ استحصالی معاشرہ کا حصہ بن چکا ہے۔ ۱۹۵۸ء ۱۹۶۳ء، ۱۹۷۲ء میں لائلپور سائیٹ اور لانڈھی کراچی میں مزدوروں پر جو ظلم روا رکھے گئے اس سے کون واقف نہیں لیکن آج تک کبھی ایسا نہیں ہوا کہ صرف ایک کارخانے کے مزدوروں پر چند لمحوں کے اندر ایسی قیامت ٹوٹ پڑی گئی ہو کہ کم از کم ۲۲ سے زیادہ مزدور تڑاتڑ گولیوں سے بھون دیئے گئے ہوں۔ لوگ تو کہتے ہیں کہ ہلاک شدگان کی اصل تعداد کو مقامی حکام چھپا رہے ہیں، مرنے والوں کی تعداد اس سے کہیں زیادہ ہے۔ گٹروں سے لاشیں برآمد کی جا رہی ہیں۔ کراچی کی مزدور رابطہ کمیٹی نے ٹھیک ہی کہا ہے کہ ہمارے یہاں کہیں زیادہ بڑے اور بھیانک شکاگو معرضِ وجود میں آ رہے ہیں، شکاگو میں تو صرف چار مزدور ہلاک ہوئے تھے جس کی یاد آج تک دنیا بھر کے مزدور ہر سال یوم مئی پر مناتے ہیں لیکن یہاں جو کچھ سائیٹ، لانڈھی اور اب ملتان میں ہوا اس کے سامنے شکاگو کیا چیز ہے اور غور کیجیئے کہ شکاگو کا واقعہ تو پچھلی صدی میں ہوا تھا، یہ تو بیسویں صدی کی ساتویں دہائی ہے۔ دنیا کہاں سے کہاں نکل گئی لیکن ہم ایک ایسے معاشرہ میں زندہ ہیں جس کے اولاامر اور اربابِ حل و عقد کا دعویٰ یہ ہے کہ وہ اس ملک میں اسلامی نظامِ حیات نافذ کرنا چاہتے ہیں اور اس کے بعد ملتان کا واقعہ ظہور پذیر ہوتا ہے۔

قبل اس کے کہ اس سے بحث کی جائے کہ آخر ملتان کے اس واقعہ سے اس ملک کے محنت کشوں کو کیا سبق ملتا ہے اس کے دو ایک پہلوؤں کی وضاحت ضروری ہے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ مزدور اور طلباء تنظیموں کو چھوڑ کر بیشتر سیاسی جماعتوں اور حکام نے اس المیہ کے ساتھ جو طرزِ عمل اختیار کیا ہے اسے افسوسناک اور شرمناک ہی قرار دیا جا سکتا ہے۔ سب سے پہلے تو حکام کا رویہ لیجیئے کہ انہوں نے اس واقعہ کی سنگینی کو محسوس کرتے ہوئے بھی اسے دبانے اور اسے غلط رنگ میں پیش کرنے کی کوشش کی۔ پہلے دن کے پریس نوٹ میں ہلاک شدگان کی تعداد صرف پانچ بتائی گئی جب کہ اسی دن پانچ سے کہیں زیادہ لاشیں اٹھائی جا چکی تھیں، پھر پورا پریس نوٹ جس طرح تیار کیا گیا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے کالونی ملز کی انتظامیہ کے مشورے سے بنایا گیا ہو۔ پریس نوٹ میں اس واقعہ کے لئے تمام تر مزدوروں کو موردِ الزام ٹھہرایا گیا ہے۔ اس کے بعد حکام کی طرف سے دوسری کوشش یہ کی گئی کہ مسلسل اس واقعہ کی سنگینی اور ہلاک شدگان کی تعداد کو گھٹا کر پیش کیا جائے، دوسرے روز اخبارات نے اپنے ذرائع سے ہلاک شدگان کی تعداد بارہ بتائی، پھر یہ بڑھ کر ۱۸ ہوئی، پھر ۲۲۔ خود ملتان کے لوگ نوے ہلاک شدگان کی باتیں کر رہے ہیں، کہا جاتا ہے کہ صرف گٹروں سے ۳۳ لاشیں نکالی گئیں، بیشتر لاشوں کو ان کے وارثوں کے حوالے نہیں کیا گیا۔ کیا حکام یہ سمجھتے ہیں کہ واقعات اور حقائق پر پردہ ڈالنے سے اس واقعہ کی سنگینی اور شدت کو کم کیا جا سکتا ہے۔ یہ صحافت اور ابلاغِ عامہ کی آزادی کا کون سا انداز ہے، کہ اخباروں کو ہدایت کی جا رہی ہے کہ وہ ملتان فائرنگ کی خبریں دبائیں، مزدور تنظیموں کے بیانات نہ چھپنے دیئے جائیں، کراچی مزدور رابطہ کمیٹی کی خبر اے پی پی کاٹ چھانٹ کر کریڈ کرے اور دو گھنٹے کے بعد اخبارات کو KILL - KILL - KILL کی ہدایت کی جائے کہ خبردار اس خبر کو شائع نہ کرنا۔ ریڈیو اور ٹیلی ویژن کی خبروں میں سوائے پہلے دن کے جب سرکاری پریس نوٹ کو ان اداروں سے نشر کیا، باقی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا یہ واقعہ ظہور پذیر ہی نہیں ہوا۔ اور نہ اس پر کوئی ردِعمل ہوا۔ کیوں کہ ان کے نزدیک گویا مزدوروں کو گولی کا نشانہ بنانا حب الوطنی کی دلیل ہے اور اس پر مخالفانہ یا تنقیدی ردِعمل وطن دشمنی ہے۔ یہ ہمارے ملک ہی میں ہوتا ہے کہ کہا جاتا ہے کہ پریس آزاد ہے (وہ بھی جس حد تک ہے سب کو معلوم ہے۔) لیکن ریڈیو اور ٹیلی ویژن حکومت کی ذاتی ملکیت ہیں۔ اس لئے وہ آزاد نہیں ہیں۔ کسی نے خوب کہا ہے کہ :۔

تمہارے پاس آزاد پریس

ہے لیکن ایک غیر آزاد ریڈیو اور غیر آزاد ٹیلی ویژن ہے۔ اور پریس کس حد تک آزاد ہے۔ یہ بھی ایک سوال ہے؟

دوسری بات یہ ہے کہ بیشتر سیاسی جماعتوں کا ردِعمل تو حکام سے بھی زیادہ افسوسناک ہے۔ حکام تو ظاہر ہے کہ حکام ہیں انہیں تو حکومت کرنی ہے، خواہی نخواہی۔ لیکن سیاسی جماعتیں تو یہی سمجھا جاتا ہے کہ وہ آزاد ہیں اور آزادی کے ساتھ اپنا ردِعمل پیش کر سکتی ہیں۔ ان میں سے کچھ سیاسی جماعتوں کے رہنماؤں مثلاً ولی خاں صاحب کو تو ابھی شاید ملتان کے واقعہ کی اطلاع ہی نہیں پہونچی۔ باقی جن کو پہونچی انہوں نے زیادہ زور اس پر دیا کہ یہ سب کچھ پیپلز پارٹی اور نوکر شاہی کے ایک حصہ کی سازش کے نتیجہ میں ہوا ہے۔ یعنی اس کی تو اہمیت نہیں کہ اس ملک کے محنت کش طبقہ کے اتنے افراد گولی کا نشانہ بنا دیئے گئے، اتنے گھر اجڑ گئے، بلکہ ان کی فکر صرف یہی ہے کہ مزدوروں کی اپنے مطالبات کی جائز جدوجہد کو کوئی سیاسی رنگ دے دیا جائے۔ انہیں اس سے بحث نہیں کہ ملک بھر میں مزدوروں کی چھانٹیاں ہو رہی ہیں مزدور اور ملازمین طرح طرح سے روٹی روزگار سے محروم کئے جا رہے ہیں، مارشل لاء ضابطہ نمبر ۲۵ کے تحت کلرک، چپراسی، ڈرائیور اور دوسرے محنت کش ملازموں

سے برطرف کئے جا رہے ہیں، مہنگائی بڑھ رہی ہے، بل مالکان اور آجر ہڑتال پر پابندی کا سہارا لے کر محنت کشوں کی شرائط ملازمت میں ردو بدل کر رہے ہیں، ان کی مراعات اور معاوضے میں تخفیف کر رہے ہیں، بجائے اس کے کہ وہ مزدوروں کی اس بے چینی کو رفع کرنے اور ان کے ہڑتال کے حق اور ٹریڈ یونین سرگرمیوں کی آزادی کو بحال کرنے کا مطالبہ کریں تاکہ وہ برابری کی سطح پر اجتماعی سودے کاری کے ذریعے اپنے جائز مطالبات منوا سکیں، انہیں صرف اس کی فکر ہے کہ وہ اس کے پیچھے کوئی خفیہ ہاتھ تلاش کر سکیں اور اس طرح عوام کی توجہ محنت کشوں کے مسائل اور ان کے جائز مطالبات سے ہٹا سکیں۔

تیسری بات یہ ہے کہ اِس سنگین واقعہ کی تحقیقات جس انداز میں حکام کر رہے ہیں اسے صرف ڈھونگ ہی قرار دیا جا سکتا ہے۔ کوئی ان سے پوچھے کہ کیوں صاحب جس دھڑلے اور طمطراق سے آپ ایک نواب صاحب کے قتل کا مقدمہ چلا رہے ہیں اور جس کی عدل گستری کے فریضہ کو ہائی کورٹ کے چیف جسٹس کی سربراہی میں ایک فل بنچ انجام دے رہی ہے، اور جس طرح اخبارات، ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے ذریعہ اس کی تشہیر کی جا رہی ہے کیا ۱۸ یا چلئے ۱۴ ہی سہی کے قتل کی تحقیقات اور مقدمہ صرف ایک بریگیڈیئر یا مجسٹریٹ کے ذمہ ہونا چاہیئے؟ کیا یہ اقدام سارے واقعہ پر پردہ ڈالنے کی کوشش نہیں ہے۔ کیوں نہ اس سنگین سانحہ کی تحقیقات یا اس کے ملزموں پر مقدمہ ہائی کورٹ کی ایک فل بنچ کے سپرد کیا جائے۔ اور اس تحقیقات اور مقدمہ کو کھلی عدالت قرار دیا جائے، جہاں عوام بھی موجود ہوں اور پریس اور ابلاغ عامہ کے نمائندے بھی جو اس کی معروضی رپورٹ سے عوام کو روزانہ آگاہ کر سکیں کہ کس نے کیا بیان دیا، کیا واقعات پیش کئے گئے، تاکہ عوام کو اطمینان ہو سکے کہ اس واقعہ اور ملزموں کی پردہ پوشی نہیں کی جا رہی ہے۔ اور یہ کہ حکام واقعی اس معاملہ میں غیر جانبدار رہیں۔

یہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ ۱۹۷۲ء میں دفعہ ۱۴۴ کے عدم نفاذ کے باوجود جس طرح جون میں سائیٹ کے مزدوروں کے اجتماع پر گولی چلائی گئی اور پھر اکتوبر میں جس طرح بیسیوں مزدوروں کو لانڈھی میں گولی کا نشانہ بنایا گیا، آج تک ان کی تحقیقاتی رپورٹ عوام کے سامنے نہیں آئی۔ اس وقت بھی مزدوروں کی اشک شوئی کی گئی تھی اور آج بھی اس کا سلسلہ جاری ہے۔

ھمیں کیا سبق ملتا ھے

سوال یہ ہے کہ مزدوروں اور محنت کشوں کیساتھ یہ سلوک کیوں ہو رہا ہے۔ کیوں انہیں بھیڑ بکریاں تصور کیا جاتا ہے اور انہیں انسان اور اس ملک کے مساوی شہری تصور نہیں کیا جاتا۔ لوگ اسلام جیسے مقدس مذہب کی باتیں کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مزدوروں اور محنت کشوں کو اسلام میں جو مقام حاصل ہے وہ کسی اور مذہب یا سسٹم میں نہیں، درست ہے لیکن آپ کا عمل کیا ہے۔ آپ نے تو نجی کاروبار اور سرمایہ داری اور جاگیرداری کو عملاً اسلام کا حصہ قرار دے رکھا ہے۔ اس لئے آپ کے نزدیک اسلام اور سرمایہ داری گویا لازم و ملزوم ہیں۔ اسی لئے عملاً آپ مزدور پر کارخانہ دار کو اور کسان اور ہاری پر جاگیردار اور زمیندار کو ترجیح دیتے ہیں۔ خواہ آپ زبانی دونوں کو برابری کا درجہ کیوں نہ دیتے ہوں۔ لیکن ظالم اور مظلوم میں برابری کیسی؟ استحصال کرنے والے اور استحصال کا شکار ایک سطح پر کیسے، آپ کو ایک طرف ہونا پڑے گا۔ ظالم کا ساتھ دیجیئے یا مظلوم کا، کسان کا ساتھ دیجیئے یا غیر حاضر زمیندار اور جاگیردار کا، ظاہر ہے کہ آپ کے طبقاتی مفادات جس کیساتھ ہوں گے آپ عملاً اسی کا ساتھ دیں گے۔

جاگیردارانہ اور سرمایہ دارانہ مفادات کی سیاسی جماعتوں اور حکام کو چھوڑیئے، آج مزدوروں اور ان کے نمائندوں کو خود سے سوال کرنا چاہیئے۔ آخر وہ کب تک اس ظلم کو برداشت کریں گے، اور اگر نہیں کریں گے تو اس کے لئے انہوں نے کیا سوچا ہے۔ انہیں ملتان کے اس المیہ سے کیا سبق ملتا ہے؟

میرے نزدیک اس المیہ کا پہلا سبق یہ ہے کہ اب محنت کشوں کو آئندہ کے لئے جاگیردارانہ اور سرمایہ دارانہ مفادات کی سیاسی جماعتوں سے کوئی امید نہیں رکھنی چاہیئے ان کے سامنے تیس سال کا تجربہ موجود ہے اور خاص طور سے گذشتہ ۱۹ یا ۲۰ سال کا تجربہ جب اسکندر مرزا اور ایوب خان نے جمہوریت پر کاری ضرب لگا کر، دستور اور پارلیمنٹ کو توڑ کر اس ملک میں جمہوری عمل کو مسدود کیا۔ ان سیاسی جماعتوں میں وہ بھی ہیں جو کھلے عام رجعت پسند ہیں اور رجعت ان کا مسلک ہے اور وہ بھی جنہوں نے انقلاب اور سوشلزم اور روٹی کپڑے مکان کے نعرے لگائے لیکن عملاً رجعتی نظام کا تحفظ کیا اور اس ملک کو سامراج کا کاسہ لیس بنائے رکھا۔ ان سیاسی جماعتوں سے یہ توقع رکھنا کہ وہ اس ملک سے استحصالی نظام کو ختم کریں گی اور مزدوروں، کسانوں، اور محنت کشوں کی حکومت محنت کشوں کے مفاد میں قائم کریں گی اپنے آپ کو دھوکا دینے کا مترادف ہے۔

اس پہلے سبق سے دوسرا سبق یہ نکلتا ہے کہ جب تک کسی نام پر استحصالی طبقات سیاسی اقتدار پر قابض رہیں گے مزدوروں پر لاٹھیاں اور گولیاں برستی رہیں گی، انہیں ان کے اُن حقوق سے بھی جو ترقی یافتہ سرمایہ دار ممالک کے مزدوروں کو حاصل ہیں اور جو آئی ایل او کنونشنز کا حصہ ہیں محروم کیا جاتا رہے گا۔ خواہ انہیں رام کرنے کے لئے کتنی ہی سہ فریقی لیبر کانفرنسیں کیوں نہ منعقد کی جائیں۔

ان حقائق سے ایک ہی نتیجہ نکلتا ہے اور وہ یہ کہ اب وقت آگیا ہے کہ مزدور اپنے حقوق کی لڑائی اپنی ہی قیادت میں لڑیں اور جاگیردارانہ اور سرمایہ دارانہ مفادات کی علمبردار اور ان طبقات کے افراد کی قیادت میں کام کرنے والی سیاسی جماعتوں سے یہ توقع نہ رکھیں کہ وہ ان کے مسائل حل کر سکیں گی، اور اس ملک میں استحصال سے پاک معاشرہ قائم کریں گی۔ اس مقصد کے لئے محنت کشوں کو ملک گیر سطح پر متحد ہونا پڑے گا، اصولی اعتبار سے بھی اور تنظیمی اعتبار سے بھی۔ دراصل ہر کارخانے کے، ہر شہر کے اور سارے ملک کے مزدور تو طبقاتی اعتبار سے پہلے ہی متحد ہیں، اتحاد ان کی سرشت میں داخل ہے لیکن مزدوروں کے رہنما اور ان کی مختلف تنظیمیں البتہ متحد نہیں ہیں۔ اب وقت آگیا ہے کہ ملک بھر کی مزدور تنظیمیں اور ٹریڈ یونین فیڈریشن ایک پلیٹ فارم پر مشترک مقاصد کے حصول کے لئے مشترک اصولوں کی بنیاد پر باہم متحد ہو جائیں، اس ضمن میں کراچی اور لاہور میں مزدور رابطہ کمیٹیوں کا قیام ایک خوش آئند بات ہے۔ اب ضرورت ہے کہ انہیں دوسرے شہروں میں پھیلایا جائے۔ اور ملک گیر سطح پر محنت کشوں کو ایک تنظیم اور جھنڈے تلے جمع کر دیا جائے، یہ بجائے خود مقصد نہیں بلکہ مقصد کے حصول کا ایک ذریعہ ہے۔ اس قسم کا اتحاد اصولوں کی بنیاد پر ہو سکتا ہے اور محنت کش طبقہ کی جدوجہد کے ذریعہ مستحکم ہو سکتا ہے، فوری طور پر اس کی ضرورت ہے کہ مزدوروں کے حقوق، ہڑتال کے حق اور ٹریڈ یونین سرگرمیوں کی مکمل آزادی اور محنت کشوں اور عوام کے دوسرے جمہوری حقوق، مثلاً، اجتماع، تنظیم، اور اظہار کی آزادی پر زور دیا جائے، اور مہنگائی، چھانٹی برطرفیوں اور ٹریڈ یونین کارکنوں کو انتقامی کارروائی کا نشانہ بنانے کے خلاف جدوجہد کو تیز کیا جائے۔ ■

پٹ فیڈر، ملتان اور ہشت نگر کے واقعات پر قومی اتحاد خاموش کیوں

۳۱- گلبرگ - ۳، لاہور

سفید رنگ کی اس کوٹھی کے گیٹ پر مردانہ پولیس کے ۵ نوجوان اور زنانہ پولیس کی ۵ عورتیں کھڑی ہیں۔ کوٹھی میں جانے والے ہر شخص سے تفصیلات پوچھی جاتی ہیں۔ ان محافظوں کی مرضی کے بغیر کوئی پرندہ بھی کوٹھی میں داخل نہیں ہو سکتا۔ اس کوٹھی کے بالمقابل ایک اور کوٹھی ہے اور اس کے ساتھ ایک سائیڈ روڈ ہے۔ اس سڑک پر پولیس کی ایک وین کھڑی ہے۔ روڈ کے ساتھ ہی ایک میدان ہے جہاں یہ کیمپ لگے ہوئے ہیں جہاں پر پولیس پارٹی رہتی ہے۔

یہ کوٹھی پورے ملک بلکہ پاکستان کے معاملات میں دلچسپی لینے والے تمام ملکوں اور سیاسی مبصرین کی مرکزِ نگاہ بنی ہوئی ہے کیونکہ اس کوٹھی کے مکینوں کا دعویٰ ہے کہ وہ اور ان کی پارٹی پاکستان کے غریب عوام کی ہمدرد اور ان کی امنگوں کی ترجمان ہے اور جمہوریت، آئین کی بالادستی کی علمبردار ہے۔

یہ پاکستان پیپلز پارٹی کی قائم مقام چیئرمین بیگم نصرت بھٹو کی نئی رہائش گاہ ہے۔ جہاں وہ اور ان کی صاحبزادی بے نظیر بھٹو تادم تحریر (یہ سطور ۵ جنوری ۱۹۷۸ء کی شب کو لکھی جا رہی ہیں) نظر بند ہیں۔

ملاقات کے ہال نما کمرے کی دیواروں پر پیپلز پارٹی کے چیئرمین جناب بھٹو کی متعدد تصویریں لگی ہوئی ہیں۔ تین رنگین پوسٹر بھی لگے ہوئے ہیں جن میں مسٹر بھٹو کے مختلف ایکشن (پوز) دکھائے گئے ہیں۔ ایک پوسٹر پر لکھا ہوا ہے "پاکستان کے عوام متحد ہو جاؤ۔ انتخاب ورنہ انقلاب" دوسرے پوسٹر کی عبارت ہے "اتحادیو! انتخابات سے مت بھاگو"۔

"ہم نے بحالی جمہوریت کی تحریک کا آغاز تو اسی دن کر دیا تھا جس دن پاکستان کے متفقہ آئین کی بالادستی ختم اور اسمبلیوں کے دروازے بند کر دیئے گئے تھے۔ مری میں نظر بند رہنے اور وہاں سے رہائی کے فوراً بعد بھٹو صاحب کے دورے کراچی، ملتان، لاہور اور پشاور، الیکشن میں حصہ لینے کا فیصلہ اور مسٹر بھٹو اور ان کے ساتھیوں کی گرفتاری کے باوجود انتخابی مہم میں بھرپور حصہ لیا۔ قذافی اسٹیڈیم میں سر پر زخم کھانا اور اپنا خون مادرِ وطن کی دھرتی پر نچھاور کرنا، دراصل جمہوریت کی تحریک کی مختلف کڑیاں ہیں جمہوری تحریک کا ایک حصہ ہیں۔ ۵ جنوری کا یوم جمہوریت تو صرف ایک علامت اور سمبل تھا۔ بحالی جمہوریت کی تحریک جاری ہے اور رہے گی جب تک ملک میں منتخب حکومت برسر اقتدار نہیں آ جاتی۔ اور آئین کو ملک کے اعلیٰ ترین قانون کی حیثیت حاصل نہیں ہو جاتی"۔ یہ بات پیپلز پارٹی کی قائم مقام چیئرمین بیگم نصرت بھٹو نے "الفتح" کو خصوصی انٹرویو دیتے ہوئے بتائی۔

آپ کی رائے میں موجودہ صورتحال میں جمہوریت پسند عناصر کو کیا حکمت عملی اختیار کرنی چاہیئے؟۔ اس سوال کے جواب میں بیگم نصرت بھٹو نے کہا کہ "ہر انسان کے سوچنے کا انداز مختلف ہوتا ہے۔ صلاحیت اور قوت بھی مختلف ہوتی ہے۔ اس لیے میں کہتی ہوں کہ آپ لوگ اپنے ذہن اور سوچ کے مطابق بحالی جمہوریت کے لیے کام کریں۔ اگر کوئی سمجھتا ہے کہ گھر میں بیٹھ کر اللہ اللہ کرے اور تسبیح پھیرنے سے جمہوریت بحال ہو سکتی ہے تو وہ ایسا ہی کرے۔ اگر کچھ یہ سمجھتے ہوں کہ کافی ہاؤسز اور گھروں میں گروپ بنا کر اور گفتگو کرنے سے جمہوریت آ سکتی ہے تو انہیں بھی ایسا ہی کرنا چاہیئے۔ اور اگر کوئی گھر کے راستے یا سڑک پر کھڑے ہو کر گفتگو کرنے کو بحالی جمہوریت کا راستہ سمجھتا ہے۔ تو وہ ایسا ہی کرے۔ تحریک کی مختلف شکلیں اور روپ ہوتے ہیں۔ ہر ایک کو اپنی صلاحیت اور طاقت کے مطابق کام کرنا چاہیئے۔ ملک کے آئین کو موثر اور کم درجے کی شے بنا دیا گیا ہے۔ تمام شہری اور سیاسی آزادیاں سلب ہیں۔ موجودہ انتظامیہ کیونکہ عوام کی منتخب شدہ نہیں اس لیے وہ عوام کے جذبات سے ناواقف ہے۔ یہ بڑے صنعتکاروں، تاجروں اور بیوروکریسی کی حکومت ہے۔ عوام جمہوریت چاہتے ہیں اور آگے بڑھ رہے ہیں۔ ایسی صورت میں کوئی بھی جمہوریت دوست طاقت، پارٹی یا گروہ خاموش تماشائی نہیں رہ سکتا۔ تماشبین نہیں بن سکتا۔ انہیں اپنا فرض ضرور ادا کرنا چاہیئے۔ پیپلز پارٹی عوام کے جذبات اور خواہشات کے مدنظر بحالی جمہوریت کے لیے عمل پیرا ہے۔

بیگم نصرت بھٹو سے وہاب صدیقی کا خصوصی انٹرویو

پوری قیادت ایڈوکر دی گئی تب بھی الیکشن میں حصہ لیں گے

چھ ماہ میں ملکی اقتصادیات ۱۵ سال پیچھے چلی گئی

اس سوال کہ "جنرل ضیاء کی حالیہ پریس کانفرنس (جو یکم جنوری ۱۹۷۸ء کو ہوئی) سے ظاہر ہوتا ہے کہ الیکشن کے اعلان سے قبل وہ چند سیاست دانوں کو ایبڈو کردیں گے اور وہ سیاست میں حصہ نہیں لے سکیں گے۔ اگر پیپلز پارٹی کی پوری اعلیٰ قیادت پر پابندی لگادی گئی تو کیا پیپلز پارٹی الیکشن میں حصہ لے گی" کے جواب میں بیگم نصرت بھٹو نے بتایا "ہماری اعلیٰ قیادت کو ایبڈو کرنے اور پابندی لگانے کے باوجود پیپلز پارٹی الیکشن میں حصہ لے گی۔ کیونکہ ہم جمہوریت چاہتے ہیں اور الیکشن جمہوریت اور جمہوری عمل کا ایک حصہ ہوتے ہیں۔ مارشل لاء انتظامیہ نے ابھی تک جو ضابطے اور حکم جاری کیے ہیں۔ وہ صرف پیپلز پارٹی کے لیے ہیں۔ پی این اے یا کسی دیگر جماعت پر ان کا اطلاق نہیں کیا جاتا۔ سیاست میں حصہ لینے پر پابندی لگانا، سیاستدانوں کو ایبڈو کرنا، غلط اقدامات ہیں۔ مگر میں کہتی ہوں کتنوں پر پابندی لگاؤ گے۔ کتنوں کو پابند کرو گے۔ ایک ہزار، ۲ ہزار، ۳ ہزار کو، اگر تین ہزار پر پابندی لگائی۔ تو ہم تین ہزار مزید لے آئیں گے۔ پیپلز پارٹی ہر صورت میں انتخابات میں حصہ لے گی۔"

ماضی میں روایت رہی ہے کہ جب کبھی صدر امریکہ نے بھارت کا دورہ کیا، وہ پاکستان ضرور آیا لیکن اس مرتبہ جمی کارٹر نے بھارت کا دورہ کیا مگر پاکستان نہیں آئے۔ آپ کے خیال میں اس کے کیا اسباب ہیں؟ بیگم صاحبہ نے کہا: "جمی کارٹر کو خود پاکستان آنے کی کیا ضرورت ہے۔ اس کا انحصار آقا کی مرضی پر ہے کہ وہ اپنے ملازم سے ملے یا نہ ملے، پہلے جمی کارٹر پاکستان آنا چاہتے تھے لیکن جب پاکستان میں متفقہ آئین معطل کر دیا گیا ہے۔ منتخب ارکان اسمبلیوں کو جیلوں یا گھروں میں بٹھا دیا گیا۔ مارشل لاء لگا دیا گیا۔ پھر الیکشن بھی ملتوی کر دیئے گئے۔ تو کارٹر کے آنے کا کیا جواز تھا۔ وہ تو خود کو 'انسانی حقوق' کے علمبردار کہتے ہیں۔ "انسانی حقوق" کا علمبردار کس طرح سے ایک فوجی حکومت سے گفت و شنید کر سکتا ہے۔ ورنہ اس کے "انسانی حقوق" کا پول کھل جاتا ہے۔ علاوہ ازیں موجودہ انتظامیہ خود کو "عبوری حکومت" کہتی ہے۔ "ہانگ باڑی گورنمنٹ" "ہانگ باڑی کار" اور کوئی شخص بھی گزرتی ہوئی کار کے ڈرائیور سے بات نہیں کرتا۔ پھر ایک عالمی طاقت کا صدر "ہانگ باڑی گورنمنٹ" سے کیسے بات کر سکتا ہے"۔

کیا ہماری خارجہ پالیسی میں کوئی تبدیلی واقع ہوگئی ہے؟ ہم نے پوچھا "کون سی خارجہ پالیسی"، بیگم نصرت بھٹو نے کہا: "اب خارجہ اور داخلہ پالیسی کی نہیں احتساب کی باتیں ہو رہی ہیں۔ ہماری اطلاعات کے مطابق غیر ملکی سربراہوں اور سفیروں کو بتائے جاتے ہیں کہ "دیکھو بھٹو نے کیا کیا" اس حرکت سے نہ صرف پاکستانیوں، پاکستان بلکہ خود اس کی بھی توہین ہوئی۔ ہماری معلومات کے مطابق بعض ممالک نے کہا "ازراہ کرم اپنے اندرونی معاملات کے بارے میں ہم سے گفتگو نہ کریں"۔ ایٹمی ری پروسیسنگ پلانٹ کا معاملہ بھی تعطل کا شکار ہو گیا۔ بتایا جاتا ہے کہ فرانس نے کہا ہے کہ "ہم نے منتخب سول حکومت سے معاہدہ کیا تھا۔ فوجی حکومت سے نہیں اور پلانٹ بھی منتخب سول حکومت کو دیں گے۔ سوویت یونین کے بارے میں جو رویہ اختیار کیا جا رہا ہے اس سے خدشہ پیدا ہو گیا ہے کہ کراچی

آئندہ بھی ہمارا نعرہ روٹی، کپڑا اور مکان ہوگا

اسٹیل ملز کی تعمیر کا کام بند نہ ہو جائے۔ اگر کام بند ہو گیا تو ملک کو بے پناہ نقصان ہو گا۔ نہ صرف ہزاروں لوگ روزگار سے محروم ہو جائیں گے بلکہ ملک بنیادی صنعت سے بھی محروم ہو جائے گا"۔

بیگم نصرت بھٹو نے مزدوروں کی برطرفیاں، چھانٹی اور کسانوں کی بے دخلیوں پر اظہار افسوس کرتے ہوئے کہا "اب یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ موجودہ لڑائی امیر اور غریب کے درمیان ہے۔ امریکہ نے پاکستان کے جاگیرداروں، سرمایہ داروں اور مغربی سرمایہ دار ملکوں کی مدد سے بھٹو صاحب کو اس لیے ہٹایا کہ وہ غریب عوام کی خدمت کر رہے تھے۔ وہ ملک کو ترقی یافتہ اور خوشحال بنانا چاہتے تھے۔ ایٹمی ری پروسیسنگ پلانٹ خریدنے کا معاہدہ اس لیے کیا گیا کہ بھٹو صاحب کی دور رس نگاہوں نے دیکھ لیا تھا کہ آئندہ پچاس سال کے بعد کیا ہونے والا ہے۔ ملک کو کتنی انرجی کی ضرورت ہو گی۔ اس پلانٹ سے ملک کو بہت فائدہ ہوتا۔ صنعتوں کو کم نرخوں پر انرجی ملتی۔ پیداوار میں اضافہ ہوتا۔ اور انڈسٹری میں وسعت پیدا ہوتی۔ جس کے نتیجے میں روزگار کے زیادہ مواقع فراہم ہوتے۔ گھریلو استعمال کے لیے بھی کم داموں بجلی دستیاب ہوتی لیکن امریکہ یہ سب کچھ نہیں چاہتا تھا۔ پی این اے کی تحریک میں ڈبل کراس کیا گیا اور ان دونوں کا سرپرست امریکہ تھا۔ کیونکہ وہ نہیں چاہتا تھا کہ تیسری دنیا کے غریب خوشحال ہوں اور اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کے قابل ہو سکیں۔ بھٹو صاحب نے کہا تھا کہ بھوک، افلاس اور غربت تیسری دنیا کے عوام کا مقدر نہیں۔ تیسری دنیا کی لڑائی امیر ملکوں سے ہے جو تیسری دنیا کا استحصال کر رہے ہیں۔ اور سستے داموں خام مال خریدتے ہیں اپنی مصنوعات مہنگے داموں فروخت کرتے ہیں۔ بھٹو صاحب نے کہا تھا کہ تیسری دنیا کے خام مال کی صحیح قیمت دی جائے"۔

بیگم صاحبہ نے گفتگو جاری رکھتے ہوئے کہا "مزدوروں کی چھانٹی ہو رہی ہے، بونس میں کمی کی جا رہی ہے۔ پیپلز پارٹی کی حکومت نے جو زرعی اراضی کسانوں کو دی تھی وہ واپس لی جا رہی ہے۔ ہشت نگر اور پٹ فیڈر میں قیامت گزر چکی ہے۔ لیکن پی این اے خاموش ہے۔ نظام مصطفیٰ کے علمبردار بھی چپ ہیں۔ ان کا "نظام مصطفیٰ" کیسا ہے۔ اسلام نے تو ہمیشہ غریبوں کا ساتھ دینے کی ہدایت کی ہے۔ اسلام تو غریبوں اور مظلوموں کا ساتھی ہے۔ صرف پیپلز پارٹی ہی سراپا احتجاج ہے۔ اس نے ہمیشہ غریبوں اور مظلوم عوام کا ساتھ دیا ہے اور دیتی رہے گی۔ یہی وجہ ہے کہ عوام اس کے ساتھ ہیں۔ پہلے بھی یہاں حکمران ہوتے تھے۔ حکومتیں بھی بدلتی رہتی تھیں۔ مگر اس وقت یہ ہوتا تھا کہ جو محروم اقتدار ہوا لوگ اسے بھول جاتے تھے۔ اس کی شکل دیکھنا پسند نہیں کرتے تھے۔ مارشل لاء حکام کا خیال تھا کہ ایسا ہی پیپلز پارٹی کے معاملے میں ہو گا۔ لیکن یہ ان کی خام خیالی تھی۔ پیپلز پارٹی نے حقیقی معنوں میں غریب عوام کی خدمت کی تھی۔ چنانچہ آج بھی وہ ہمارے ساتھ ہیں۔

ولی خان کی رہائی پر تبصرہ کرتے ہوئے بیگم صاحبہ نے کہا "جو لوگ آنکھیں بند کر کے ولی خان کو حب الوطنی کی سند دے رہے ہیں۔ وہ عوام کو بے وقوف سمجھ رہے ہیں۔ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ سپریم کورٹ نے ریفرنس میں

خواتین پولیس کے زبردست گھیرے میں

۵ جنوری کو مولانا نیازی کی لیڈر شپ اور سیکرٹری شپ بھی حرکت میں تھی۔

پنڈی میں یوم جمہوریت

گیس کے غباروں کی فروخت پر پابندی اور گیس کے گولوں کا استعمال

پاکستان پیپلز پارٹی کی قائم مقام چیئرمین مسز نصرت بھٹو نے تقریباً ایک ماہ پہلے اعلان کیا تھا کہ ۵ جنوری کو ملک بھر میں یوم جمہوریت منایا جائے گا اس اعلان کے بعد پارٹی کے سکریٹری جنرل مولانا کوثر نیازی نے یوم جمہوریت منائے جانے سے دس دن قبل پریس کانفرنس میں اعلان کیا کہ یوم جمہوریت یوم دعا کے طور پر منایا جائے گا۔ یوم جمہوریت کے اعلان نے ایوان اقتدار میں زلزلہ پیدا کر دیا انتظامی امور کے ذمہ دار افراد کی راتوں کی نیند حرام تھی پہلے کہا گیا کہ اگر پیپلز پارٹی نے گڑبڑ کی تو پابندی لگا دی جائے گی بعد ازاں اس فیصلے میں تبدیلی کی گئی پارٹی پر عملاً تو پابندی عائد نہیں کی گئی مگر ہوا یہ کہ جس شخص پر بھی ذرا شک ہوا کہ یہ یوم جمہوریت میں کچھ کردار ادا کر سکتا ہے اسے بلا دریغ پکڑ کر بند کر دیا گیا یہ صورتحال پارٹی کے کارکنوں کے لئے بڑی عجیب وغریب تھی۔ ان میں سے کچھ تو غائب ہو گئے کچھ پکڑے گئے خوف وہراس کی فضا تھی ۴ جنوری کی رات تک پولیس کا آپریشن اس طرح حل ہو گیا تھا کہ انہوں نے تمام کارکنان کو پکڑ لیا تھا۔ پارٹی کے تمام اہم عہدیدار گرفتار کر لئے گئے تھے یا زائب ہو گئے تھے جو لوگ باقی رہ گئے تھے ان کی رہنمائی کرنے والا کوئی نہیں تھا۔ ۴ جنوری کو انتظامیہ کے اعلیٰ عہدیداروں نے پیپلز پارٹی کے پکڑے جانے والے عہدیداروں اور کارکنوں کی فہرستوں پر نظر ثانی کی اور اس میں مزید اضافہ کر کے آپریشن کا دوسرا مرحلہ شروع ہو گیا۔ گرفتاریوں اور نظر بندیوں میں خواتین کو بھی نہیں بخشا گیا ناصرہ کھوکھر ماہرہ کھوکھر ریحانہ ملک اور دوسری سرکردہ خواتین کو گھروں میں نظر بند کر دیا گیا رات کے بارہ بجے ذمہ دار افراد کو چین کا سانس آیا انہوں نے اپنے سے بڑوں کو سب اچھا کی رپورٹ دے دی۔

۵ جنوری کی صبح انتظامیہ کے لئے سخت خوف وہراس لئے ہوئے طلوع ہوئی۔ شہر کے تمام اہم چوراہوں پر مسلح پولیس متعین تھی پولیس کے بھاری دستے ٹرکوں میں گھوم رہے تھے صدر بازار میں دیگن اسٹینڈ پر پولیس کی بھاری جمعیت ایک روز پہلے متعین کر دی گئی تھی مقامی پریس کلب کے باہر پولیس کے سینکڑوں سپاہی مسلح پھر رہے تھے کلب کے اندر پیپلز پارٹی کے مرد اور خواتین خاصی تعداد میں موجود تھے۔ کلب میں جگہ جگہ بینروں پر نعرے تحریر تھے۔ وسیع لان میں ایک جانب خواتین اور قنات کے دوسری جانب مرد قرآن خوانی میں مصروف تھے کلب کی عمارت میں اندر پیپلز پارٹی کے ضلعی عہدیدار پریس کانفرنس کر رہے تھے۔ راجہ عزیز بھٹی سابق ایم این اے مولانا کوثر نیازی کے قریبی ساتھی اپنی کوشش میں مصروف تھے کہ سب لوگ یہاں سے خاموشی سے چلے جائیں۔ اور نعرے بازی بھی نہ ہو۔ پریس کانفرنس کے بعد کارکن غبارے لے آئے گیس بھرے غباروں میں مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کی تصاویر باندھ کر انہیں تالیوں کی گونج میں ہوا میں چھوڑ دیا گیا۔

پیپلز پارٹی کے دفتر کے گرد پولیس کی ناکہ بندی سے بچ کر بھینسیں جا رہی ہیں

گوالمنڈی کے چوک میں آنسو گیس

پریس کلب میں پارٹی کے کارکن یوم جمہوریت کے موقع پر دعا مانگ رہے ہیں

پریس کلب کا لان اونچے اونچے درختوں میں گھرا ہوا ہے گیس بھرے غبارے درختوں میں اٹکے بغیر اونچے ہوا میں اڑ گئے۔ اس روز مقامی انتظامیہ نے حکم جاری کیا تھا کہ راولپنڈی شہر میں کوئی شخص گیس سے بھرے ہوئے غبارے ۴ اور ۵ جنوری کو فروخت نہ کرے مگر اس کے باوجود غبارے کہیں سے آہی گئے۔ قرآن خوانی اور دعا کے بعد جب کارکن منتشر ہونے لگے تو پولیس کی بھاری جمعیت پریس کلب کے گیٹ پر جمع ہوگئی اور کارکنوں کو باہر نکلنے سے روک دیا۔ اندر سے دباؤ بڑھا تو پولیس کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ خواتین نعرے لگاتی ہوئی اور بینر ہاتھوں میں لئے ہوئے ایک طرف جمع ہوگئیں پولیس نے خواتین کو گھیرے میں لے لیا۔ دوسری طرف سے کارکن نکل گئے اور انہوں نے جلوس کی صورت اختیار کرلی۔ پولیس کارکنوں کی طرف لپکی تو خواتین نے جلوس کی شکل اختیار کرلی۔ پولیس کارکنوں کے پیچھے بھاگی اور خواتین اور مردوں کا نعرے لگاتا ہوا جلوس لیاقت روڈ پر آگیا۔ پولیس کے افسروں کی گھبراہٹ دیدنی تھی جلوس میں شریک خواتین و حضرات تیز قدموں سے چلنے لگے اب پولیس کو ساتھ ساتھ بھاگنا پڑا جلوس کا رخ کالج روڈ سے موڑ کر لیاقت روڈ پر ہی رکھا گیا پولیس نے گوالمنڈی چوک میں جاکر جلوس کو گھیر لیا اب خواتین بھی پولیس کے گھیرے میں تھیں جو مرد آگے نکل گئے تھے ان پر آنسو گیس کے گولے چھوڑے جانے لگے جو سپاہی اس کام پر مامور تھا وہ خواتین کی موجودگی کی پرواہ کئے بغیر اس قدر فحش گالیاں بک رہا تھا کہ یقیناً "ب" کے بدمعاش بھی نہ بک سکیں گے۔ آنسو گیس کے شیل پوری قوت سے لیاقت روڈ گوالمنڈی کالج روڈ پر پھینکے جا رہے تھے آنسو گیس کا ایک شیل لیاقت روڈ پر واقع مسجد میں بھی پھینکا گیا اور نمازیوں کو نماز پوری کرنا مشکل ہوگئی جو خواتین گوالمنڈی لیاقت روڈ چوک پر پولیس کے گھیرے میں آگئی تھیں وہ گھیرا توڑ کر لیاقت روڈ فوارہ چوک کی جانب بڑھیں تو پولیس نے ان کا پیچھا کرنا شروع کردیا۔ فوارہ چوک میں بچی کھچی خواتین پر پھر آنسو گیس چھوڑی گئی اور مردوں کو مارپیٹ کر گالیاں بک کر پکڑا جانے لگا۔ لیاقت روڈ نشاط سینما کے سامنے آنسو گیس کی زیادتی کی وجہ سے خالدہ کھوکھر نیم بے ہوش ہوگئیں پولیس نے آنسو گیس کے چالیس سے زائد راؤنڈ چلائے اور دس سے زائد کارکنوں کو گرفتار کرلیا۔ سڑکوں پر گھومتی ہوئی پولیس جب مطمئن ہوئی اور سورج غروب ہونے کے بعد سب نے اطمینان کا سانس لیا۔ تو خواتین کا ایک بڑا گروپ شاہ دی ٹاہلیاں کے مزار پر جمع ہوگیا دعا کے بعد یہ خواتین مری روڈ پر آگئیں اور ٹریفک بلاک ہوگیا۔ شہید چوک میں جمع پولیس کی تھوڑی نفری کے لئے ایک مسئلہ کھڑا ہوگیا۔ وائرلیس پر مزید جمعیت طلب کرلی گئی۔ ایک گھنٹہ تک نعرے لگانے کے بعد یہ خواتین اپنے گھروں کو چلی گئیں۔

مولانا کوثر نیازی کے اخبار نے اگلے روز خبر لگائی کہ یوم جمہوریت کی آڑ میں ہنگامہ آرائی کا پروگرام مکمل نہیں ہو سکا اور اکثریت نے جنرل سکریٹری کی قیادت تسلیم کرلی ہے اور ثابت کردیا ہے کہ وہ اور کسی کے احکامات کی پرواہ نہیں کرتے مولانا کوثر نیازی کو اور ان کے ساتھیوں کو نہ جانے کہاں سے اطلاع ملی تھی کہ یوم جمہوریت کی آڑ میں ہنگامہ کرنے کا پروگرام تھا بہرحال مولانا کوثر نیازی کی جنرل سکریٹری شپ اور ان کی لیڈر شپ کا بھرم بھی جلد ہی کھلنے والا ہے

اگلے روز ۶ جنوری کو پیپلز پارٹی کے شہری دفتر واقع اقبال روڈ پر پولیس دن کے ڈیڑھ بجے سے دھرنا دے کر بیٹھی ہوئی تھی پورے اقبال روڈ پر ہر قسم کی ٹریفک کی ناکہ بندی کردی گئی تھی کسی ذی روح کو اس سڑک پر جانے کی اجازت نہیں تھی پولیس کے مسلح سپاہی اقبال روڈ کے دونوں سروں پر اور کالج روڈ پر بھاری تعداد میں موجود تھے پارٹی کے دفتر میں چڑیا کا بچہ بھی نہیں تھا اس سڑک پر واقع دکانیں زبردستی بند کرادی گئی تھیں۔ اور حال یہ تھا کہ جب شام کو بھینسوں کا ایک ریوڑ اقبال روڈ پر جانے لگا تو وہاں موجود پولیس والوں نے ریوڑ کے گوالے چرواہے کو روک لیا کہ بند ہے ادھر نہیں جاسکتے۔ بڑی مشکل سے چرواہے کو بھینسوں کے ساتھ جانے کی اجازت ملی۔ فرض شناس پولیس اور مجسٹریٹ پیپلز پارٹی کے دفتر کے آگے شام تک بیٹھے رہے۔ اخبار نویسوں کو جب ساری صورت حال کا علم ہوا اور وہ وہاں پہنچے تو مجسٹریٹ پوچھنے لگا کیا واقعہ ہے۔ اب کوئی ان سے پوچھے واقعہ آپ کے علم میں ہوگا۔ اخبار نویس تو آپ کی کارروائی کی وجہ سے آئے تھے بہرحال انتظامیہ پر سخت خوف و ہراس کا عالم ہے معلوم ہوا ہے کہ امن عامہ تو ہر حالت میں برقرار رکھنے کا فیصلہ کیا گیا ہے کہ اس سلسلے میں کوئی حد مقرر نہیں ہے۔

نیشنل پروگریسو پارٹی کے رہنماؤں کو رہا کرو!

پاکستان نیشنل پروگریسو پارٹی کے صدر اعزاز نذیر اور پنجاب نیشنل پروگریسو پارٹی پنجاب کے کنوینر ڈاکٹر اصغر خادم ایڈووکیٹ اور کالعدم نیشنل عوامی پارٹی میانوالی کے امیر عالم خان وتہ خیل کو گزشتہ روز میانوالی میں مارشل لاء کے دفعہ ۱۳، ۱۴، ۲ کے تحت گرفتار کرلیا گیا ہے۔ امیر عالم خاں وتہ خیل عوامی انقلابی محاذ ضلع میانوالی کے سیکرٹری جنرل ڈاکٹر خضر حیات نیازی اور دوسرے رہنما شیر بہادر روڑی خیل رانا محمد یامین کے وارنٹ گرفتاری مارشل لاء کی دفعہ ۱۳، ۱۴، ۲ جاری ہو چکے ہیں ان راہنماؤں کی گرفتاری پر عوامی انقلابی محاذ ضلع میانوالی کے صدر دوست محمد بھچر، (سینئر نائب صدر پنجاب مزدور کسان پارٹی) نے احتجاج کرتے ہوئے فوری رہائی کا مطالبہ کیا ہے۔ اور افسوس کا اظہار کیا ہے کہ دائیں بازو کے لوگ اور جماعتیں اسی طرح دندناتے پھر رہے ہیں جیسے انہیں سرگرمیوں کی کھلی اجازت ہے۔ مگر بائیں بازو کے لوگوں کو اس حالت میں بھی گرفتار کیا جا رہا ہے۔ جبکہ وہ اپنے دوستوں کے ہاں ملنے آتے ہوں۔ دوست محمد بھچر نے گرفتار راہنماؤں کی فوری رہائی اور جاری شدہ وارنٹ گرفتاری واپس لینے پر زور دیا ہے۔

سندھ میں یوم جمہوریت بارہ اضلاع میں ۳۲۲ افراد گرفتار، کوڑوں کی سزائیں

دیہی علاقوں میں مکمل ہڑتال، پولیس سے مقابلہ، ایک گاؤں کی ناکہ بندی

رپورٹ
احسان عظیم

لیجئے صاحب پیپلز پارٹی کا یوم جمہوریت من گیا۔ بعض کے نزدیک "ناکام ہوا" کامیابی اور ناکامی کی کسوٹی کیا ہے۔ مجھے نہیں معلوم لیکن یہ کہہ سکتا ہوں کہ مارشل لا کے کوڑے والے ضابطوں، پولیس اور فوج کے گشت اور پیپلز پارٹی کے معروف رہنماؤں کی عدم موجودگی اور "فرار" کے باوجود دیہی علاقوں کے عوام کی نمایاں اکثریت نے جلسہ جلوس، نعرہ بازی اور دعا گوئی کے ذریعہ یوم جمہوریت منایا۔

سندھ کے اندرونی بارہ اضلاع سے موصول ہونے والی اطلاعات کے مطابق تین سو بائیس (۳۲۲) افراد گرفتار ہوئے۔ سرکاری اطلاعات کے مطابق ان میں سے ترپن (۵۳) افراد کو مارشل لا کی خلاف ورزی کے الزام میں کوڑوں کے ساتھ بر وقت سزائیں سنائی جا چکی ہیں۔ گرفتاریوں کا سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ جئے سندھ اسٹوڈنٹ فیڈریشن نے گو کہ یوم جمہوریت کو یوم فریب قرار دیتے ہوئے سخت مخالفت کی تھی۔ تاہم اندرون سندھ کے بیشتر دیہی علاقوں میں مکمل ہڑتال رہی۔ اکثر جگہوں پر جلوس نکالے گئے۔ بعض جگہوں پر پولیس سے مقابلہ بھی ہو گیا۔ اکثر جگہوں پر پولیس کو پسپائی بھی اختیار کرنی پڑی۔ مثلاً حیدرآباد ضلع کے ایک گاؤں بہاول زنئور میں لوگوں نے ہڑتال کی۔ جلوس کی شکل میں دعا مانگنے عیدگاہ کی جانب مارچ شروع کیا۔ ہوسٹری تھانے کے ایس ایچ او، اکبر بہنود پولیس پارٹی کے ساتھ پہنچے، جلوس ختم کرنے کے لیے طاقت استعمال کی۔ لوگ مشتعل ہو گئے۔ ایس ایچ او کے علاوہ دو پولیس کانسٹیبل زخمی ہوئے۔ پولیس کو پسپائی اختیار کرنی پڑی۔ اطلاع ایس پی کو ملی۔ ایس پی حیدرآباد نے مختارکار کی معیت میں سولہ گاڑیوں پر سیکڑوں کی تعداد میں پولیس فورس کے ساتھ دھاوا بولا۔ نہتے عوام اتنی بڑی تعداد میں مسلح جوانوں سے ظاہر ہے مقابلہ نہیں کر سکتے تھے چنانچہ راہ سے ٹل جانے میں عافیت سمجھی لیکن پولیس بھلا کیسے ٹل سکتی تھی۔ گاؤں کی ناکہ بندی کی گئی۔ گھروں میں تلاش کیا گیا۔ صرف تین مرد ہاتھ لگے جنہیں گرفتار کیا گیا۔ بتایا جاتا ہے کہ انہیں مزید انیس افراد کی تلاش ہے۔ چنانچہ گھیراؤ قائم ہے۔ عورتوں اور بچوں کو زیادہ عرصہ تک تنہا تو چھوڑ نہیں سکتے۔ مردوں کو آنا ہی ہوگا۔ اس کے قریب ایک اور گاؤں ٹنڈو غلام محمد سے روڈ بلاک کرنے کے الزام میں آٹھ افراد گرفتار ہوئے۔

پولیس سے مقابلے کا ایک اور واقعہ نوابشاہ ضلع کے قصبے سکرنڈ میں پیش آیا۔ بتایا جاتا ہے کہ پیپلز پارٹی کے حامیوں نے جلوس نکالا۔ نعرہ بازی کی۔ سکرنڈ پولیس نے رحمت اللہ مگسی نامی ایک شخص کو گرفتار کر کے تھانے کے لاک اپ میں ڈال دیا۔ گرفتاری کی خبر پھیلی۔ شہریوں کی ایک بڑی تعداد نعرے لگاتی تھانے پر جمع ہوئی۔ مجمع بڑا تھا۔ پولیس کی جمعیت کمزور پڑی۔ لوگوں نے رحمت اللہ مگسی کو چھڑا لیا۔ بتایا جاتا ہے کہ صورت حال کی اطلاع ملتے ہی مزید کمک پہنچی اور بڑی نفری کے ساتھ رحمت اللہ مگسی کے علاوہ پیر بخش کیریو، امیر بخش مگسی، علی رضا کھوسو اور نواز علی شاہ کو گرفتار کیا گیا۔ گرفتاری تو ہونی ہی تھی لوگوں نے مارشل لا کی خلاف ورزی کی تھی۔

"پیپلز پارٹی کا یوم جمہوریت" "ناکام" ہو گیا۔ تو اسے ہونا تو چاہیئے تھا۔ قائم مقام چیئرمین نصرت بھٹو، صاحبزادی بے نظیر بھٹو، بیگم اشرف عباسی، بیگم نادو اور اکثر سرگرم رہنماؤں کو پیش بندی کے طور پر پہلے ہی نظر بند کر دیا گیا تھا۔ پھر بھی خطرہ تھا کہ پارٹی سے متعلق سابق ارکان اسمبلی یا مقامی عہدیدار کہیں وفاداری دکھانے کے لیے نکل نہ پڑیں۔ چنانچہ انہیں بھی سختی سے مارشل لا کی پابندی کی ہدایت کی گئی۔ اور یقین دہانی بھی طلب کی گئی۔ بیشتر ارکان پہلے ہی اپنے گوشواروں کی تحقیقات سے بے حوصلہ ہیں بڑھ چڑھ کر یقین دہانی کرائی۔ اکثر تو بال بچوں سمیت مقررہ دن کی آزمائش سے محفوظ رہنے کے لیے شہر ہی چھوڑ گئے۔ ایسے ہی ایک رکن کا قافلہ کوہستان کے قصبے تھانہ احمد خاں پہنچ گیا۔ مارشل لا اور احتساب کی بازگشت نے سندھ کے بیشتر ارکان اسمبلی کی نیندیں حرام کر رکھی ہیں۔ عیش و عشرت میں گزاری زندگی بھلا جیل کی صعوبتیں کیونکر برداشت کر سکتی ہے۔ پہلے ہی ہاتھ پاؤں چھوڑ چکے ہیں۔ لیکن انہیں ممبران میں بعض سر پھرے بھی ہیں۔ ایسی ہی ایک رکن بیگم ڈاکٹر بشیر نادو بھی ہیں۔ انہیں حفظ ما تقدم کے طور پر یوم جمہوریت سے ایک روز پیشتر گھر میں نظر بند کر دیا گیا تھا لیکن انہوں نے گھر میں پابند ہونا پسند نہیں کیا۔ گھر سے باہر نکلیں، نعرہ لگایا۔ گرفتار ہوئیں اور جیل پہنچا دی گئیں۔ ایسے میں بد دماغ ٹھٹہ کے دو ارکان اسمبلی محمد خان سومرو اور عبدالحمید میمن بھی نکلے موقع تھا کہ دیگر ارکان اسمبلی کی طرح سرکار کو یقین دہانی کراتے اور گھر میں عیش کرتے۔ لیکن ٹھہرے بد دماغ۔ یقین دہانی سے انکار کیا اور نتیجہ میں نظر بند ہوئے۔ یوم جمہوریت سے قبل سرکردہ رہنماؤں اور کارکنوں کی گرفتاریوں، نمایاں ارکان سے پیشگی یقین دہانی اور سب سے بڑھ کر پولیس اور فوج کی بڑی تعداد کے ساتھ گاؤں گاؤں گشت و ناکہ بندی یوم جمہوریت کی ناکامی کا ثبوت نہیں ہے تو اور کیا ہے؟

یوم جمہوریت کی "ناکامی" کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے کہ بی بی سی جیسی شہرہ آفاق ایجنسی بھی کہنے پر مجبور ہو گئی کہ یوم جمہوریت ناکام ہو گیا۔ ظاہر ہے

اس کے نمائندے انتہائی سرگرم ہوتے ہیں۔ دور دراز دیہاتوں کا بھی مشاہدہ کیا ہوگا۔ اگر دیہاتوں میں دکانیں بند تھیں تو وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ دکانوں میں فروخت کرنے کے لیے چیزیں نہ رہی ہوں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ لوگوں کی جیبوں میں پیسہ ہی نہ رہا ہو۔ خریدار کے بغیر دکان کھل کر کیا کرتی۔ اگر روڈوں پر ٹریفک معطل تھا تو اس کا سبب یہ ہو سکتا ہے کہ یوم جمہوریت کو ناکام بنانے کے لیے ٹرانسپورٹروں نے اپنی گاڑیاں گیراجوں میں کھڑی کر دی ہوں۔ آخر انہیں بھی تو آرام کی ضرورت ہو سکتی ہے۔ کراچی کے علاوہ اندرون سندھ یوم جمہوریت کے دن صرف دو سو نناوے افراد کی گرفتاری بذات خود ناکامی کا ثبوت ہے۔ اندرون سندھ ایک کروڑ کی آبادی ہے۔ سب نہیں تو آدھے گرفتار ہوتے۔

یوم جمہوریت کی "ناکامی" کا اظہار لیاقت میڈیکل کالج کے واقعہ سے بھی بخوبی ہوتا ہے۔ اطلاعات کے مطابق طلباء چار بسوں میں سوار ہو کر شہر آنے کے لیے چلے۔ جامشورو پل پر بسیں روک کر واپس کر دی گئیں۔ جواباً طلبا نے ریلوے کراسنگ پر روڈ بلاک کر دیا لیکن پولیس اور مارشل لا حکام نے ایک گھنٹے کی بھرپور کوشش کے بعد روڈ کھول لیا۔ اور طلبا کو کالج کی حدود میں سمٹنے پر مجبور کر دیا۔ اور کالج کی ناکہ بندی دوسرے روز بھی برقرار رکھی گئی تاکہ "ناکامی" کہیں "کامیابی" میں نہ تبدیل ہو جائے۔ اندرون سندھ گرفتار و نظر بند ہونے والے چند نام آپ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

ضلع ٹھٹھہ

۱۔ ۱۔ محمد خاں سومرو سابق ایم این اے ۲۔ عبدالحمید جتوئی ایم پی اے ۳۔ وزیر میمن ایم پی اے ۴۔ عبدالستار لوہار تعلقہ صدر ۵۔ علی محمد بھٹو ۶۔ غلام حسین محمد ضلعی سیکرٹری ۷۔ عبداللہ شاہ آفس سیکرٹری ۸۔ فیض محمد قریشی ۹۔ امین کھٹی ۱۰۔ عبدالعزیز ۱۱۔ مظہر شاہ۔

ضلع دادو

۱۔ اللہ بخش۔ رادھن ۲۔ کھاندو جانوری رادھن ۳۔ گل شیر رادھن ۴۔ دلبر کھوسو رادھن۔ ۵۔ لونگ خاں کھوسو خیرپور ناتھن شاہ۔ ۶۔ رفیق احمد خیرپور ناتھن شاہ ۷۔ ولی محمد شیخ خیرپور ناتھن شاہ ۸۔ امین لوہار خیرپور ناتھن شاہ ۹۔ امیر علی ابڑو خیرپور ناتھن شاہ،

۱۰۔ حبیب اللہ پنہور ۱۱۔ نور محمد پنہور ۱۲۔ ظفر لغاری ضلعی صدر۔

ضلع لاڑکانہ

۱۔ بیگم افضل ۲۔ بیگم فاطمہ عبدالرزاق سومرو۔ ۳۔ بیگم رکھا سومرو ۴۔ عبدالرزاق سومرو۔

ضلع جیکب آباد

۱۔ صدیق کھوسو ۲۔ امان اللہ ۳۔ عبدالکریم جمیلو۔ ۴۔ جلال دین ۵۔ لیئق میاں ۶۔ صدیق بروہی ۷۔ اکبر پیرزادہ ۸۔ صادق خاں ۹۔ منور خاصخیلی ۱۰۔ عبدالرزاق ابڑو ۱۱۔ عبدالوہاب

ضلع شکارپور

۱۔ نبی بخش بھٹو ۲۔ نام معلوم نہیں ہو سکا۔

سکھر

۱۔ بیگم ڈاکٹر بشیر نارو ایم پی اے ۲۔ بابو ولد اکبر علی ۳۔ محمد نواز۔ دین محمد ۔ ۴۔ پیرل منگی ولد چھٹو۔ ۵۔ اللہ واریو ولد محمد بچل۔

خیرپور

۱۔ پیر علی نقی شاہ ۲۔ جان محمد دھاریو ۳۔ نام معلوم نہیں ہو سکا۔

نوابشاہ

۱۔ منگھ بھٹی ۲۔ عبدالغنی پیرزادہ ۳۔ غلام اکبر جمالی ۴۔ غلام محمد بھنگوار ۵۔ علی اکبر خاصخیلی ۶۔ ارباب عبدالواحد شیر بحر ۷۔ دوست محمد میمن ۸۔ کریم بخش ۹۔ در محمد بھٹو ۱۰۔ عبداللطیف بھٹو ۱۱۔ محمد صادق بھٹو۔ ۱۲۔ عزیز اللہ کوداتی ۱۳۔ رحمت اللہ نگسی ۱۴۔ پیر بخش کیریو ۱۵۔ امیر بخش نگسی ۱۶۔ علی رضا کھوسو ۱۷۔ علی نواز شاہ ۱۸۔ علی نواز بھٹو ۱۹۔ محمد یوسف بھٹو۔

سانگھڑ

۱۔ عبدالسلام تھیم ۲۔ پھول بیگ ۳۔ امیر علی ۴۔ جاوید ۵۔ سلیمان ۶۔ ہاشم انڑ ۷۔ طارق انڑ ۸۔ جان محمد ۹۔ دوست محمد۔

حیدرآباد

۱۔ عبداللطیف انصاری سابق سینیٹر ۲۔ امیر علی شاہ جاموٹ سابق ایم پی اے ۳۔ محمد ہاشم کمہار ۴۔ نواز ۵۔ احمد سومرو ۶۔ عبداللہ ۷۔ محمد شریف ۸۔ یعقوب جاقلانی ۹۔ بھائی خاں ۱۰۔ محمد عثمان ۱۱۔ محمد بچل ۱۲۔ امیر بخش ۱۳۔ علی شیر ۱۴۔ ولی محمد ۱۵۔ رمضان علی ۱۶۔ اللہ بخش ۱۷۔ حاجی اللہ ڈنو ۱۸۔ حاجن ۱۹۔ غلام رسول ۲۰۔ لقمان ۲۱۔ غلام حسین ۲۲۔ جیرن کلہوڑی ۲۳۔ زاہد میمون ۔ ۲۴۔ مشتاق شیدی ۲۵۔ علی نواز ۲۶۔ منظور خاصخیلی ۲۷۔ مٹھو لغاری ۲۸۔ عبدالغنی کمبھ ۲۹۔ حاجی عبداللہ میر بحر ۳۰۔ لکھا نو لغاری ۳۱۔ مٹھو ۳۲۔ مورد ۳۳۔ موسیٰ ۳۴۔ انور شیدی ۳۵۔ وزیر محمد ۳۶۔ شفیع محمد ۔ ۳۷۔ دریا خاں ۳۸۔ علو ۳۹۔ صالح محمد ۴۰۔ محمد کالو ۴۱۔ برخوردار ۴۲۔ محمد سلیم۔

گرفتار ہونے والوں میں سے یہ چند نام ہیں ناکافی وسائل کی وجہ سے اندرون سندھ کے بارہ اضلاع سے آج رپورٹ لکھنے تک تمام گرفتار و نظر بند افراد کے نام حاصل نہیں کیے جا سکے ہیں۔ تاہم یہ چند نام بھی سیکڑوں کی تعداد تک پہنچے ہیں۔ آج جمعہ ۶ جنوری اس رپورٹ لکھنے تک ضلع وار گرفتار ہونے والوں کی تعداد یہ بتائی جاتی ہے۔

ضلع	تعداد	ضلع	تعداد
۱۔ ٹھٹھہ =	۱۸	۲۔ دادو =	۲۷
۳۔ لاڑکانہ =	۱۸	۴۔ جیکب آباد =	۱۳
۵۔ شکارپور =	۵	۶۔ سکھر =	۷۷
۷۔ خیرپور =	۴۰	۸۔ نوابشاہ =	۲۷
۹۔ سانگھڑ =	۱۵	۱۰۔ تھرپارکر۔ صحیح تعداد کا ابھی تک پتہ نہیں چلا۔	
۱۱۔ بدین =	۱۱	۱۲۔ حیدرآباد =	۶۶
کل تعداد =	۳۲۲		

یہ تھی روداد بھی ۵ جنوری ۷۸ء کے یوم جمہوریت کی جسے "ناکام" قرار دیا گیا ہے۔ اب اطلاعات کے مطابق حیدرآباد کے بعض طلبا جماعتیں مزدوروں کے اشتراک کے ساتھ ۷ جنوری کو ملتان میں مزدوروں پر فائرنگ کے خلاف احتجاجی کالی پٹیاں باندھیں گے اور مختلف ملوں پر گیٹ میٹنگ کریں گے۔ پولیس کے ہاتھوں ملتان میں مزدوروں کی ہلاکت کی خبر نے مزدوروں کو خاصا مشتعل کر رکھا ہے۔ دوسری جانب پولیس اور قانون نافذ کرنے والے اداروں کے افراد بھی یوم جمہوریت کی ناکامی کے لیے گزشتہ کئی دنوں کی تھکا دینے والی خدمات کے بعد خاصے زود حس ہو رہے ہیں۔ دعا کیجیے کہ اس دن کی بھی ناکامی کہیں وقار کا مسئلہ نہ بنے۔ ورنہ پھر شاید حالات زیادہ خراب ہو جائیں۔

اب اور ایک خبر وحشت اثر یہ بھی سنتے چلیے کہ خان ولی خاں کی حمایت اور اب شمولیت کے باوجود سندھ کے دیہی علاقوں میں این ڈی پی کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔ سائیں جی ایم سید کے تحفے سندھ کی حمایت اور اس

باقی صفحہ ۴۷ پر

اس قتلِ عام کے چشم دید گواہ ہیں، مقدمہ چلایئے

● نورانی، نیازی اور بھوپالی، دھاندلی دھاندلی کیوں پکار رہے ہیں!

● سانحہ ملتان کے اثرات ملک کی سیاسی اور معاشی زندگی پر بیک وقت مرتب ہو سکتے ہیں

تھینک یو جنرل "مساوات" پر سوشلزم کا نعرہ چھپ گیا

حسین نقی

پچھلے جمعہ کو جب میں نے اپنے کالم کے آخری حصہ میں یہ لکھا کہ غریب، محنت کش، استحصال زدہ، ظلم و بربریت کا بہیمانہ اور انسان سوز سزاؤں اور اذیتوں کا شکار، اصلی اور سچے "مومن اپنی جنگیں بے تیغ ہی شروع کرتے ہیں.... وہ کبھی کبھی جنگ کا آغاز خود سے نہیں کرتے، لیکن جب ان کے لئے زندہ رہنا بھی دوبھر ہو جاتا ہے تو وہ اپنے دفاع کے لئے کھڑے ہو جاتے۔

اس وقت میرے اور آپ کے بلکہ کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ ملتان میں اس آفاقی سچائی

ع ۔ مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

کا عملی مظاہرہ ہو رہا ہوگا۔ جس کا ذکر جنرل ضیا ما لحق نے کیا تھا۔ عجب سا سانحہ ہے۔

افسر شاہی کے ایک برطرف سابق کارندے نے جو ان دنوں تحریک استقلال کا بزرگ ترنائب صدر ہے۔ اسے "ملتان سازش" کا نام دیا اور کالونی ٹیکسٹائل مل کے مالکوں کی حمایت میں اپنا بیان ایسے قلم بند کرایا جیسے کرایہ کے گواہ پولیس ٹاوٹ، مجسٹریٹوں کی عدالتوں میں عام طور پر کراتے رہتے ہیں۔ نام اس شقی القلب کا وزیر علی ہے۔

ملتان میں جو کربلا ہوئی، اس نے اس پرانے، زر پرست، سازش کے اوسان خطا کر دیئے کہ کہیں بنا بنایا کھیل بگڑ نہ جائے اور بھی بیانات آئے، مفتی محمود کا، نورانی میاں کا حتیٰ کہ میاں طفیل محمد تک کے بیان میں اس شقی القلبی کا اظہار نہیں ہوا جو وزیر علی کے بیان میں تھی جس میں کھل کر مل مالکوں کی بھی وکالت کی گئی۔

وزیر علی کے بیان کا تقریباً متن تحریک کے روزنامے آزاد میں شائع ہوا ہے اور اس سے اس کی بوکھلاہٹ کا اصل سبب عیاں ہے کہ اس سانحہ کے اثرات ملک کی سیاسی اور معاشی زندگی پر بیک وقت مرتب ہو سکتے ہیں۔

بلاخوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ موجودہ پاکستان کی تیس سالہ تاریخ میں سانحہ ملتان سے زیادہ اندوہناک سانحہ کبھی نہیں ہوا۔ اس درجہ وحشیانہ بہیمیت کا مظاہرہ اس پیمانہ پر، اتنے کم وقت میں کبھی سننے، پڑھنے میں نہیں آیا۔ اس قتل کو عام انگریزی میں COLD BLOODED MASACCRE ہی کا نام دیا جا سکتا ہے۔ اس واقعہ کو ہزار بہانوں سے، سرکاری پریس نوٹوں کے ذریعہ نہیں چھپایا جا سکتا تھا اور نہ چھپایا جا سکا۔ جس قدر کوشش اس پہ پردہ ڈالنے کی کی گئی اس قدر اس واقعہ کی صدائے بازگشت صاف اور دور دور سنائی دی۔

ملتان کے ایک مجسٹریٹ اور پولیس کے اعلیٰ افسر کی، فی الحال وقتی ہی سہی، جنرل اقبال کے حکم کے تحت علیحدگی

یہاں چلنے والا

اصلی اسلام

ہی اب چل سکے گا

نے کم از کم اس امر کی بنیادی شہادت فراہم کی کہ مجرم کون ہے۔ کہاں ہے؟۔

ملتان کے مزدور رہنماؤں، کراچی اور لاہور کے مزدور نمائندوں کے اس مطالبہ کو کیسے ٹالا جا سکتا ہے کہ جب ایک برسوں پرانے قتل کے الزام میں کھلی عدالتی کارروائی جاری ہے اور ریڈیو۔ ٹیلیویژن اور اخبارات میں اس کی بھرپور اشاعت بلکہ پبلسٹی کی جا رہی ہے، تو ملتان کے زیادہ شدید اور لرزہ خیز واقعہ کے سلسلے میں بھی ایسا ہی کیا جائے کیوں نہ کیا جائے۔

ابھی دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہوگا۔ ہو کر رہے گا۔ اس امر کا بھی ثبوت فراہم کرنا ہوگا کہ ملک میں اسلامی قانون کا نفاذ کس قدر ہوتا ہے۔ کیا واقعی تمام مسلمان برابر ہیں۔ کیا واقعی بھائی پر بھائی کا قتل بدترگناہ ہے قتل کے الزام میں ایک سابق وزیر اعظم پر مقدمہ چل رہا ہے۔ قتل، ایک نہیں، درجن بھر، سرکاری شمار کے مطابق، ملتان کا بھی مقدمہ چلانا پڑے گا۔ قاتلوں، ملتان کے قتلِ عام کی سازش کے شرکا کو بھی گرفتار کرنا مقدمہ چلانا اور ضمانت دیئے بغیر جیل میں رکھنا ہوگا۔ نہ کیا جائے گا۔ قاتل کھلے پھریں گے تو جو ہوتا ہے وہی ہوگا۔

قصاص۔ ہاں، ضرور، وہ بیوائیں۔ وہ یتیم بچے، وہ بوڑھے باپ جن کے پاس کوئی کار نہیں جن کے نام کوئی چھ کنال کا پلاٹ الاٹ نہیں ہوا، جن گھر کے چولہے ٹھنڈے ہو گئے۔ جن کے بوڑھے باپ اور کم سن بیٹے، بیٹیاں ان کی رسومات بھی ادا کرنے کے قابل نہیں، ضرور، ان کا بھی قصاص دلایا جائے۔

قرطاس ابیض، ہاں، وہ بھی۔ شائع کرنا ہوگا۔ انکوائری ٹربیونل، ضرور، اس کی رپورٹ دبائی نہیں جائے گی۔ نہیں جا سکے گی۔ کہ بھٹو برطرف ہو چکا ہے۔

بھٹو ازم کے خاتمہ کے لئے بتایا گیا ہے کہ یہ ضروری ہے کہ اس کی تمام نشانیاں جن میں عدالتوں پہ جبر۔ پریس اور نشر و اشاعت پہ پابندیاں شامل تھیں، سب کے نشانات مٹانے پڑیں گے۔

جابر سلطان کے سامنے کلمہ حق کے دعویدار روزنامو۔ بھٹو پر مقدمہ چلانے کے طلب گار بہادر، دلیر خلیل الرحمانو!

درجن بھر (سرکاری خبروں کے بھی مطابق) مقتولوں کے ورثاء ان کے ساتھی۔ ان کے ہم پیشہ۔ ان کے رفیق مقدمہ چلانے کھلی عدالتی تحقیقات کرانے برطرفی اور معزولی کا مطالبہ کر رہے ہیں۔

آؤ۔ اس ملک میں آزاد صحافت، آزاد عدلیہ۔ قانون کی حکمرانی، قانون کی نظر میں سب کی برابری۔ اسلامی روایت کے مطابق تمام مسلمانوں، تمام انسانوں کے درمیان یکساں عدل کی روایت ڈالیں۔ یہاں تو سلطانی گواہوں کے لئے بھی تگ و دو کی ضرورت نہیں۔ یہ قتل؟ جی نہیں! قتل عام، رات کی تاریکی میں، کسی تاریک چوراہے گول چکر کے ارد گرد نہیں ہوا۔ دن دہاڑے ہوا ہے سورج کی روشنی میں۔ خانہ خدا کے قریب ایک، دو، دس نہیں سینکڑوں بھی نہیں ہزاروں کے سامنے ہوا ہے صرف فائرنگ کرنے والے ہی نہیں۔ موقع کے ہزاروں چشم دید گواہ بھی موجود ہیں!!

آؤ،

انصاف کا۔ اسلامی عدل کا۔ نظام مصطفےٰ کا بول بالا کریں۔

مجید نظامیوں، الطاف قریشیوں، مجیب شامیوں، خلیل الرحمانوں، صلاح الدینوں۔ صحافت کے پاسبانو، اسلامی بنیادی حقوق کے علمبردارو، اسلام کے سپہ سالاروں محمد بن قاسم کے پرستارو۔ ایک نہیں درجن بھر (سرکار کے مطابق) مظلوم۔ بیوہ، عورتیں، کئی درجن۔ بچے۔ بوڑھے جوان، مسلمان، تمہیں آوازیں دے رہے ہیں۔

لاہور میں، جب کہ میں نے پچھلے ہفتہ لکھا، سیاسی ناٹک کا ایک حصہ ہوا، اور اس کے اداکاروں میں جھگڑا ہو گیا ہاتھا پائی کی نوبت آگئی، سر پھٹول ہو رہی۔ ایک دوسرے کے پول کھل رہے ہیں۔

جھگڑا نظام مصطفےٰ کا ہے؟ جی نہیں۔ کہا جاتا ہے دستور پر عملدرآمد کا جھگڑا ہے۔ اصول کی لڑائی ہے۔ میرے نوجوان دوست، اخبار نویس۔ شعلہ بیان مقرر ظہور الحسن بھوپالی اخبار نویسوں کو بتا کر گئے ہیں اور نورانی میاں کس قدر ٹھیک ٹھیک نشانے لگائے ہیں (جو اصغر خان، ایئر مارشل سے نہ لگ سکے) اور بقول مرحوم شکیل احمد، قومی اتحاد کا ہلواڑہ بنا دیا ہے۔ ویسے حلوہ، اور ہلواڑہ میں کافی صوتی مماثلت آواز کی یکسانیت محسوس ہوتی ہے۔

نورانی میاں نے بکل مناظرہ کا نکتہ نکال کر قومی اتحاد پر بھرپور حملہ کر دیا ہے اور اب مولانا نیازی نے کوثر نیازی نہیں، مولانا عبدالستار نیازی جو میرے پرانے کالج، یعنی انجمن حمایت اسلام کے سابق اسلامیہ کالج کے اولڈ بوائے ہیں۔ بلکہ اب اولڈ مین۔ دلیل ہر دو مولاناؤں کی یہ ہے کہ ۱۹۷۳ء کے دستور میں تو دستور میں دی ہوئی دو تہائی اکثریت سے کی گئی ترامیم جو بھٹو کے "آمرانہ" دور میں کی گئیں پر ہر کسی کو اعتراض ہے لیکن جس دستور میں یعنی کہ قومی اتحاد آٹھ میں سے سات جماعتیں جس میں کوئی بھی جماعت سوشلزم کے "کافرانہ" نظام کی بھی داعی نہیں بلکہ تمام کی تمام اسلام پسند ہیں، دھاندلی کر رہی ہیں۔ الیکشن میں بھی دستور میں بھی۔ بھٹو سے بھی بدتر دھاندلی۔

مولانا عبدالستار خاں نیازی نے کھل کر اپنے دھڑلے انداز میں نورانی میاں نے پارلیمانی انداز میں صاف کہہ دیا ہے۔ دھاندلی۔ دھاندلی۔

اب بتائیے۔ اسلام کا سپاہی کیا کرے۔ کس کس دھاندلی کا تدارک کرے!!! بھٹو کی دھاندلی کا تدارک تو معزولی، اور پھر عوام کی دوبارہ دھاندلی پہ آمادگی کے سبب ۱۸ اکتوبر کا انتخاب ملتوی کر کے سدباب کرنا پڑا۔

اب قومی اتحاد کی آٹھ میں سے سات جماعتیں دھاندلی کر رہی ہیں تو انتخابات کیسے ہو سکتے ہیں؟

اُدھر رفیق باجوہ یہ کہتے رہے ہیں کہ جمعیت العلماء پاکستان کا بھی ایک دستور تھا۔ اور اس دستور کی رُو سے انہیں بغیر جواب طلبی اور جوابدہی کے نکال کر جمعیت نے دستور کی خلاف ورزی کی تھی۔ یعنی ۹ ستاروں میں سے ۸ ستاروں کی دستوری دھاندلی تو منظر عام پر آچکی ہے۔ ہم نویں ستارے کے متعلق کیا کہیں۔ کہ دستوری بحث ٹکڑوں کی تقسیم کے متعلق اس قدر کشیدہ ہوئی کہ بالآخر نویں ستارے نے یہ کہہ کر اتحاد سے جان چھڑائی کہ وہ کسی بھی جماعت یا جماعتوں کی کسی صوبے میں اجارہ داری نہیں چلنے دیں گے۔

نو ستارے، پیپلز پارٹی، اور آپ مجھ سے بہتر واقف ہیں، سب کے سب دستور کی خلاف ورزی کے ملزم ٹھہرائے جا چکے ہیں اور ہم آج کل "قانون ضرورت" کے تحت پاکستان کا اور اپنا کام چلا رہے ہیں کہ عدالت عظمیٰ کا فیصلہ بھی یہی ہے!

ایک اور "پھڈے" کا بھی ذکر ہو جائے کہ

ع۔ جب کہ دو مفتیوں میں ہو کھٹ پٹ
ہمیں اپنے ایمان کی خیر منانی چاہیئے۔ یہ دو مفتی ہیں (مفتی محمود صاحب سے معذرت کے ساتھ) مولانا مودودی اور سابق جسٹس بدیع الزماں کیکاؤس۔ مولانا مودودی صاحب نے یہ کہہ کر کہ عدالتوں کے ساتھ "ایک، ایک" مفتی مقرر کر دیا جائے۔ بدیع الزماں کیکاؤس کے بھُس میں چنگاری ڈال دی ہے اور انہوں نے مفتیوں کی دھجیاں بکھیر دی ہیں۔ اخبارات پڑھا کریں سستے ہوتے ہیں، رسالے مہنگے۔!

مفتی کیکاؤس نے کہا ہے کہ ہمارے جج مفتیوں سے زیادہ قرآن و سنت اور اسلامی نظام قانون سے واقف ہیں۔ اور کسی مفتی نے تو اسلامی قانون پر ایک کتاب بھی نہیں لکھی۔ ایک اکیلے جج نے پورے ۹۱۲ صفحے کی کتاب لکھ دی ہے اور فیصلے بے شمار۔ دراصل جج ریٹائرڈ، کیکاؤس نے "بنیادی حقوق" والی تقریب میں اپنے ساتھ ہونے والی "اذان ہو گئی ہے" والی حرکت کا حساب بے باق کر دیا ہے۔ اب مودودی صاحب ہی جواب دیں۔

ایک بات اور، یہ "ایک، ایک" مفتی جو عدالتوں میں متعین کیا جائے گا کس فقہ کا ماننے والا ہوگا۔ مودودی صاحب یہ بھی بتا دیں کہ اس میں بھی پھڈا ہونا لازمی ہے۔

اور بالکل آخر میں، یہ کہ، یوم جمہوریت کے لئے یوم دعا اور دیگیں پکانے کی لائن دے کر اور بغیر دیگیں پکوائے اور دعا کئے۔ حضرت مولانا کوثر نیازی جن کے اثاثے بالکل چٹے یعنی صاف ہیں، ایک ماہ کے لئے اسلامی ممالک کے دورے پر روانہ ہو گئے ہیں۔ ان کے تازہ بہ تازہ روحانی رفیق حضرت معراج خالد نے کہا ہے کہ وہ ایک ماہ بعد واپس آجائیں گے۔ لہٰذا کسی دوسرے قائم مقام سیکرٹری جنرل کی ضرورت نہیں۔

ظاہر ہے۔ کیا ضرورت ہے۔ جب کچھ کرنا ہو تب ہی عہدیداروں کی ضرورت ہوتی ہے۔

یوم جمہوریت کے سلسلے میں ٹرسٹ کے تابعدار روزنامے پاکستان ٹائمز اور افسر شاہی کے نظریاتی نمائندے نوائے وقت میں مکمل اتفاق پایا گیا۔ دونوں کے مطابق یوم جمہوریت بالکل ناکام ہو گیا۔ حالانکہ پہلے ان ہی اخبارات میں۔ ایسا تاثر دیا گیا تھا کہ اس دن افراتفری، قتل و غارت گری۔ توڑ پھوڑ اور نہ جانے کیا کیا ہوگا۔

(باقی صـ۲۷ پر)

پاکستان کی سیاست میں پنجاب فیصلہ کن کردار ادا کرتا ہے۔ بقول ولی خان "جب پنجاب جاگتا ہے تو پورا پاکستان جاگ اٹھتا ہے"۔ پنجاب کی اہمیت کے اسباب یہ ہیں کہ قومی اسمبلی کی دو سو عام نشستوں میں سے پنجاب کی نشستیں ۱۱۵ ہیں۔ اگر کوئی سیاسی جماعت پنجاب کی سو فیصد نشستیں حاصل کر لے اور دیگر تین صوبوں سرحد، سندھ اور بلوچستان میں ایک بھی نشست نہ لے۔ تب بھی اسے قومی اسمبلی میں اکثریت حاصل ہو جائے گی۔ اور وہ حکومت بنانے کی مستحق ہو گی۔ علاوہ ازیں بیوروکریسی، جو پاکستان میں "بادشاہ گر" کا کردار ادا کر رہی ہے میں اکثریت پنجاب والوں کی ہے پنجاب کی اسی سیاسی اہمیت کے پیش نظر قائم مقام چیئرمین پیپلز پارٹی بیگم نصرت بھٹو نے موجودہ سیاسی بحران کے زمانے میں پنجاب کے دارالحکومت لاہور کو اپنا صدر دفتر بنایا ہے۔

پیپلز پارٹی نے ۵ جنوری ۱۹۷۸ء کو "یوم جمہوریت" منانے کا اعلان کیا تو لاہور مرکز نگاہ بن گیا۔ کیونکہ یہ لاہور ہی تھا جس نے ۱۸ اپریل ۱۹۷۷ء کو ریاستی طاقت سے ٹکر لی تھی۔ اور یہ بھی لاہور ہی تھا جس نے پیپلز پارٹی کے چیئرمین مسٹر بھٹو کا اگست ۱۹۷۷ء میں مثالی استقبال کیا تھا۔ یہ مثالی استقبال بقول مسٹر بھٹو الیکشن اکتوبر ۱۹۷۷ء کے التوا کا بنیادی سبب بنا۔ "یوم جمہوریت" کے اعلان نے مقامی انتظامیہ کے حواس خطا کر دیئے تھے۔ بتایا جاتا ہے کہ پولیس کا ایک اعلیٰ افسر یکم جنوری کی شام کو ۵ بجے مال روڈ سے گزرا تو اسے شالیمار ڈیپارٹمنٹل اسٹور کے پاس چند خواتین نظر آئیں۔ اس افسر نے فوراً ایک انسپکٹر کی ڈیوٹی لگا دی تاکہ وہ خواتین کی نگرانی کرے۔ کیونکہ اس کا خیال تھا کہ یہ خواتین جلوس نکالنا چاہتی ہیں۔ انسپکٹر نے تحقیق کی تو پتہ چلا کہ وہ خواتین شاپنگ کے لیے آئی تھیں۔

۵ جنوری کو لاہور میں جگہ جگہ پولیس کے دستے کھڑے تھے۔ مال روڈ پر ہال مینشن، مسجد شہداء، فیصل چوک، یونیورسٹی اولڈ کیمپس کے پاس بھاری تعداد میں پولیس موجود تھی۔

پیپلز پارٹی نے بادشاہی مسجد میں نماز ظہر اور اس کے بعد ملتان کے شہید مزدوروں کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھنے کا پروگرام بنایا تھا۔ خواتین کے اجتماع اور قرآن خوانی کے لیے داتا دربار کا انتخاب کیا گیا تھا۔ دوسرے شہروں سے پیپلز پارٹی کے بعض نامور قائدین جن میں سرحد کے محمد حنیف خان، راولپنڈی کے ملک اصغر شاہ اور کراچی کے کمال اظفر بھی شامل تھے۔ ۴ جنوری کو لاہور پہنچ گئے۔ لیکن ۴ اور ۵ جنوری کی درمیانی شب کو پیپلز پارٹی کے متعدد سرگرم کارکنوں کو گرفتار کر لیا گیا۔ اور یہ افواہ بھی پھیلا دی گئی کہ بادشاہی مسجد کے دروازے بند کر دیئے گئے ہیں۔

بہر حال ۵ جنوری ۱۹۷۸ء کو پیپلز پارٹی نے "یوم جمہوریت" کا آغاز غبارے فضا میں چھوڑ کر کیا۔ جن پر مسٹر بھٹو کی تصویریں اور بحالی جمہوریت کے سلسلے میں نعروں پر مشتمل ہینڈ بل چسپاں تھے۔ ادھر پیپلز پارٹی "یوم جمہوریت" میں مصروف تھی ادھر یونیورسٹی لان میں نیشنل اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن نے ساڑھے بارہ بجے ملتان کے شہید مزدوروں کی غائبانہ نماز جنازہ کا اہتمام کیا۔ طلبا نے نماز جنازہ پڑھی جب کہ اسلامی جمعیت طلباء کے بیس پچیس کارکن لان کے باہر کھڑے رہے۔ نماز

▶ پردہ باغ۔ آنسو گیس ▶ طرز گرفتاری

پنجاب میں بڑی سیاسی تبدیلی؟

اسلام آباد — حمید شیراز۔

۲۰ جنوری کو ملک کی سیاست ایک نیا رُخ اختیار کرے گی اس میں مرکزی کردار میاں ممتاز دولتانہ ادا کریں گے۔

مصدقہ ذرائع کے مطابق ۲۰ جنوری کو راولپنڈی میں تحریک استقلال مسٹر احمد سعید کرمانی اور مسٹر خورشید انور کے اعزاز میں ایک استقبالیہ دے گی۔ اس میں تحریک استقلال کے سربراہ ریٹائرڈ ایئر مارشل اصغر خان کی شرکت بھی متوقع ہے۔ اس موقع پر مسٹر کرمانی اور مسٹر انور اپنے ساتھیوں مسٹر حامد رضا گیلانی، پیر صفی الدین، مسٹر ذاکر قریشی، مسٹر کرم بخش اعوان، مسٹر سجاد قریشی، پیر دیوان قطب الدین، میاں ریاض دولتانہ اور مسٹر احسان سمیت تحریک میں شمولیت کا اعلان کریں گے۔

دراصل یہ فیصلہ دسمبر کے آخری ہفتے میں الممتاز میں ہوا تھا۔ اس میں میاں ممتاز دولتانہ نے مسٹر کرمانی اور مسٹر انور کو اپنا نائب مقرر کرتے ہوئے اس فیصلے کے اعلان کا اختیار دیا تھا۔

جنازہ کے بعد این ایس او کے قائدین نے اپنی تقریروں میں واضح طور پر اعلان کیا کہ ان کا تعلق نہ پیپلز پارٹی سے ہے اور نہ پی این اے سے بلکہ وہ پاکستان کے مظلوم اور استحصال زدہ عوام کے ساتھ ہیں۔ مزدوروں اور کسانوں کے ساتھی ہیں۔ این ایس او والے نماز جنازہ پڑھ کر جب بینر لپیٹ کر جانے لگے تو یکدم اسلامی جمعیت طلباء کو جوش آ گیا "اسلامی انقلاب" "رہ بھٹو قاتل ہے اسے پھانسی دو" کے نعرے لگانے لگے۔ بجائے ان کا "اسلامی انقلاب" اور "نظام شریعت" کیا ہے۔ جو انہیں نماز جنازہ پڑھنے سے تو روکتا ہے لیکن عدالت کے فیصلے کے بغیر ملزم کو سزا دینے کا مطالبہ کرنے سے نہیں روکتا۔

بادشاہی مسجد کی بیرونی فصیل کا "روشنائی گیٹ" جو "لوگڑے خانقاہ" کی طرف واقع ہے بند تھا۔ صرف چھوٹی کھڑکی کھلی ہوئی تھی۔ اس گیٹ کے باہر اور اندر بھاری تعداد میں پولیس موجود تھی۔ مسجد کی سیڑھیوں کے سامنے واقع حضوری باغ کی بارہ دری اور چھت میں رینجر موجود تھی، علامہ اقبال اور سر سکندر حیات کی قبروں کے پاس بھی پولیس اور اس کے ٹرک موجود تھے۔ شاہی قلعے کے مین گیٹ کے سامنے بھی پولیس کے دو ٹرک اور متعدد جیپیں موجود تھیں حیرت انگیز بات یہ تھی کہ امیر کویت کے سوگ میں پاکستان کے قومی پرچم سرنگوں کرنے کے احکامات تھے لیکن شاہی قلعے پر لگا ہوا قومی پرچم سرنگوں نہیں کیا گیا تھا مینار پاکستان کی جانب سے بادشاہی مسجد آنے والی سڑک پر بھاری تعداد میں پولیس موجود تھی۔ تقریباً ڈیڑھ بجے چیف سیکرٹری پنجاب مسرور حسن اور آئی جی خواجہ مسرور حسین بادشاہی مسجد آئے۔ اور پولیس کے انتظامات کا معائنہ کیا۔ ان کے جانے کے بعد پولیس کے ایک دستے کو مسجد کی سیڑھیوں کے پاس متعین کر دیا گیا۔

پیپلز پارٹی کے تقریباً تین سو کارکن نماز پڑھنے بادشاہی مسجد آئے۔ لوگوں کی آمد کا سلسلہ جاری تھا کہ نماز کا وقت ختم ہو گیا۔ نماز کے بعد مسجد میں ہی چند کارکنوں نے "اللہ اکبر" کا نعرہ لگایا۔ یہ نعرہ سن کر مسجد کی سیڑھیوں کے پاس کھڑے ڈی ایس پی نے مسجد میں داخلے کے خواہش مند افراد کو یہ کہہ کر روک دیا کہ "نماز ہو گئی ہے۔ اب اندر کیوں جا رہے ہو" اس وقت ۲ بجنے میں دس منٹ باقی تھے۔

نماز ظہر کے بعد پیپلز پارٹی نے بادشاہی مسجد کے صحن میں ملتان کے مزدوروں کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی۔ نماز جنازہ کے بعد پیپلز پارٹی کے رہنما حنیف خاں نے بلند آواز میں دعا مانگی۔

نماز جنازہ سے فارغ ہونے بعد کارکنوں کی ایک ٹولی نے "روشنائی گیٹ" کی طرف بڑھتے ہوئے نعرے لگائے "جیوے جیوے بھٹو جیوے" "بھٹو ساڈا شیر اے" اس پر ڈی ایس پی نے مائیک کے ذریعے پولیس والوں کو حکم دیا "جو نعرہ لگاتا ہے اسے یہاں ہی گرفتار کر لو"۔ لیکن کارکن بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ تقریباً ایک سو افراد پر مشتمل ایک گروہ نعرے لگاتا ہوا آگے گیا تو پولیس نے اس کا تعاقب کیا۔ چوک ناولٹی سینما کے قریب مظاہرین نے پولیس پر پتھراؤ کیا اور یہی گروہ پولیس سے آنکھ مچولی کرتا ہوا سرکلر روڈ پر جا نکلا۔ یہاں اس نے پنجاب اربن ٹرانسپورٹ کی دو بسوں پر پتھراؤ کیا اور شیشے توڑ دیئے۔ ایک بس کو آگ لگانے کی کوشش بھی کی۔ لیکن ناکام رہے۔ بیرکی کے قریب بھی پولیس پر پتھراؤ کیا گیا۔ مظاہرین چھوٹے چھوٹے گروپوں میں منقسم ہو کر پولیس سے آنکھ مچولی کرتے ہوئے بھاٹی چوک پہنچ گئے۔ یہاں پر زبردست خشت باری ہوئی۔ پولیس نے یکے بعد دیگرے آنسو گیس کے چار گولے پھینکے تو مظاہرین باغ پردہ کے علاقے گرین بلیٹ میں چلے گئے۔ اور وہاں سے پتھراؤ کرنے لگے۔ پولیس نے ان کا تعاقب کیا اور مبینہ طور پر بعض گھروں میں بھی گھس گئی۔ اس جگہ شام تک پولیس اور مظاہرین میں آنکھ مچولی ہوتی رہی۔ چھوٹے چھوٹے بچے گلیوں کے سروں پر نمودار ہوتے۔ ان کے ہاتھوں میں پیپلز پارٹی کا پرچم ہوتا۔ وہ پولیس والوں کو دکھاتے اور جب پولیس انہیں پکڑنے بھاگتی تو بچے گلیوں میں گھس جاتے اور جب مظاہرین کی تعداد خاصی ہو جاتی تو پولیس آنسو گیس کے گولے پھینک کو منتشر کر دیتی۔ اس مقام سے ایک مرتبہ آرمی کا ایک ٹرک بھی گشت کرتا ہوا گزرا۔

پولیس نے بیرکی اور بھاٹی چوک سے متعدد افراد کو گرفتار کیا۔ "پولیس کا ہے فرض مدد آپ کی" والی پولیس اتنے غصہ میں تھی کہ اس نے بعض راہگیروں کو بھی گرفتار کر لیا۔ وہ لاکھ اپنی صفائی پیش کرتے لیکن پولیس پورے جلال میں تھی۔ ایک سپاہی گریبان سے پکڑ کر گھسیٹتا، دوسرا مکوں اور لاتوں سے تواضع کرتا اور تیسرا ڈنڈے مارتا۔ اسی عالم میں

(باقی صفحہ ۲۶ پر)

شاہی مسجد پر پولیس کا پہرہ

عوام پہلے سے زیادہ پیپلز پارٹی کے حامی ہیں

○

انٹرویو • قاضی عبدالغفار

احسان عظیم

لاڑکانہ، ریشمی رومال اور ہجرت تحریک سے جدوجہد جمہوریت تک

پولیس اور وڈیروں کی ملی بھگت سے غریبوں کا سکھ غارت ہو گیا

عملاً آج بھی پی پی پر پابندی ہے

سندھ کی سیاست کے ہر دور میں لاڑکانہ ضلع کو مرکزیت حاصل رہی ہے۔ لاڑکانہ کے شہریوں کا یہ بھی ایک طرۂ امتیاز رہا ہے کہ اس سرزمین نے ہر دور میں جاگیردار طبقات کی سیاست اور قیادت کے مقابلے میں محنت کش طبقات اور حریت پسند عوام کی جدوجہد اور قیادت بھی سربلند ہوتی رہی ہے۔ سندھ پر انگریزوں نے قبضہ کیا۔ مال ملکیت والے طبقات نے انگریزوں کے اقتدار کو پائیدار اور اپنی مراعات میں اضافہ کیا تو وہیں۔ لاڑکانہ کے حریت پسند عوام نے ریشمی رومال اور ہجرت تحریک کی شکل میں علم بغاوت بلند کیا۔ انگریزوں نے اگر اپنے وفادار جاگیرداروں کو سر اور خان بہادر بنا کر عوام پر مسلط کرنا چاہا تو عوام نے اپنے جذبات حریت پسندی کا مظاہرہ شیخ عبدالمجید سندھی کو ہی انتخابات میں کامیاب بنا کر کیا۔

قیام پاکستان کے بعد لاڑکانہ کے ایوب کھوڑو نے اگر سندھ پر ون یونٹ مسلط کر کے عوام کے حقوق کو پائمال کرنا چاہا تو لاڑکانہ کے ہی کامریڈ حیدر بخش جتوئی ون یونٹ کی مخالفت میں علم بغاوت بلند کیے نظر آئے۔ خان بہادر تو آثار قدیمہ بنے لیکن کامریڈ حیدر بخش جتوئی بابائے سندھ قرار پائے۔ لاڑکانہ آج بھی اپنی دیرینہ خصوصیات برقرار رکھے ہوئے ہے۔ کامریڈ حیدر بخش جتوئی کے بعد سندھ ہاری کمیٹی کی سرگرمیاں تقریباً ختم ہو چکی ہیں۔ بیشتر پرانے ہاری کارکن تحریک سے علیحدگی اختیار کر چکے ہیں۔ تاہم چند مخلص کارکن نئے عزم اور حوصلے کے ساتھ ہاریوں کی تنظیم اور تحریک کے احیاء کی کوششوں میں مصروف ہیں۔ ان میں سے ایک ڈاکٹر قاضی عبدالغفار بھی ہیں۔

ڈاکٹر غفار کا تعلق لاڑکانہ کی تحصیل وارہ سے ہے ۱۹۵۴ء میں ہاری تحریک سے وابستہ ہوئے۔ کامریڈ حیدر بخش جتوئی کے انتقال کے بعد پرانی ہاری کمیٹی سرگرم نہ رہی۔ کارکن تتر بتر ہو گئے۔ اکتوبر ۱۹۷۴ء میں پرانی ہاری کمیٹی کے بعض کارکن جمع ہوئے اور سندھی ہاری کمیٹی کی بنیاد رکھی۔ ڈاکٹر صاحب کو کمیٹی کا سکریٹری مقرر کیا گیا۔ گذشتہ تین سال گو کہ طبقاتی تنظیموں اور عوامی تحریکوں کے لئے انتہائی دشوار تھے لیکن مشکلات کے باوجود تنظیم آگے بڑھی ہے۔ ۱۹۷۷ء کے انتخابات میں ڈاکٹر صاحب نے صوبائی اسمبلی کی نشست پر حکمران جماعت کے امیدوار کا مقابلہ بھی کیا ہے۔ لاڑکانہ کے دورے کے دوران ہم نے ڈاکٹر صاحب سے ملاقات کی۔ ڈاکٹر صاحب کے خیالات ملاحظہ فرمائیں۔

س :۔ لاڑکانہ کے پس منظر میں ملک کی صورتحال کے بارے میں آپ کا تجزیہ کیا ہے؟

ج :۔ لوگ آج بھی پیپلز پارٹی کے ساتھ ہیں۔ بلکہ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ لوگ پہلے سے زیادہ پیپلز پارٹی کے حامی ہیں۔ پیپلز پارٹی کے خلاف قائم پاکستان قومی اتحاد زیادہ عرصہ قائم نہیں رہ سکتا۔ اس لئے کہ اس کا قیام کسی مثبت ٹھوس بنیاد پر نہیں ہے۔ بلکہ صرف بھٹو دشمنی پر قائم ہوا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ حالیہ دنوں میں عوام کی بڑھتی ہوئی مشکلات پر قومی اتحاد خاموش تماشائی بنا ہوا ہے۔ عوام کی اکثریت کی پیپلز پارٹی کی حمایت کے پیش نظر یہ کہا جا سکتا ہے کہ انتخابات جلد نہیں ہو سکتے۔

س :۔ اگر پیپلز پارٹی پر پابندی لگ گئی تو صورتِ حال کیا ہو گی؟

ج ۔ پیپلز پارٹی پر عملاً آج بھی پابندی ہے۔ پیپلز پارٹی کے بیشتر سرگرم لیڈر جیلوں میں ہیں۔ سیاسی سرگرمیوں پر پابندی کی وجہ سے بچے ہوئے ارکان بھی سرگرم نہیں ہو سکتے۔ جب کہ قومی اتحاد کے ارکان استقبالیوں کی شکل میں سرگرم ہیں۔ اس کی مثال حال ہی میں قومی اتحاد کے جنرل سکریٹری پروفیسر غفور کے تفصیلی دورے سے دیکھی جا سکتی ہے۔

س :۔ کہا جاتا ہے کہ پی پی نے اپنے پانچ سالہ دورِ حکومت میں عوام پر بے پناہ تشدد کیا ہے پھر کیا وجہ ہے کہ عوام کی اکثریت آج بھی پیپلز پارٹی کا دم بھرتی ہے؟

ج ۔ یہ صحیح ہے کہ پیپلز پارٹی کے دور میں تشدد ہوا۔

لیکن تشدد کا شکار بیشتر سیاسی کارکن تھے۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ پیپلز پارٹی نے پہلی مرتبہ بڑے پیمانے پر ہاریوں کے دل سے زمینداروں کا خوف نکالا۔ پیپلز پارٹی کی حکومت سے پیشتر ہاریوں اور غریب عوام کو سر اٹھانے کا حق نہیں تھا لیکن پیپلز پارٹی نے اور کچھ کیا یا نہیں یہ ضرور کیا کہ ہاریوں کو سر اٹھانے کا موقع دیا۔ پیپلز پارٹی کی کھلی کچہریوں کے ذریعے عام ورکروں کو وڈیروں اور کامورں کے خلاف منہ کھولنے کا موقع ملا۔

س :۔ پیپلز پارٹی کی زرعی اصلاحات کے بارے میں کیا خیال ہے؟

ج ۔ پیپلز پارٹی کی زرعی اصلاحات سے ہاری اور زمیندار کے رشتے میں کوئی بڑا فرق پیدا نہیں ہوا۔ بڑے زمینداروں نے اپنی زمین مختلف ناموں پر منتقل کر کے محفوظ کر لی۔ مفت بیج اور آدھی بٹائی کی شرط سے چھوٹے کھاتہ داروں کے ہاریوں کو فائدہ ہوا۔ اسی لئے آج چھوٹا کھاتے دار یا درمیانہ طبقہ ہی پیپلز پارٹی کی مخالفت میں پیش پیش ہے۔

س :۔ سندھ میں ہاری تحریک کی کمزوری کے اسباب کیا ہیں؟

ج ۔ سندھ میں ہاری تحریک زیادہ پرانی نہیں ہے۔ سکھر بیراج کے قیام کے دنوں میں ہاری کمیٹی کا قیام عمل میں آیا۔ زیادہ تر کانگریسی کارکن شامل تھے۔ کامریڈ حیدر بخش جتوئی کی شمولیت کے بعد ہاری کمیٹی کی سرگرمیاں تیز ہوئیں اسی دوران پاکستان بن گیا۔ بیشتر کارکن ہندوستان چلے گئے پاکستان کے بعد دوبارہ ہاری کمیٹی کی تشکیل ہوئی۔ تحریک کا ابھار بنتے ہی ون یونٹ بنا کر تحریک کو دبایا گیا۔ تحریک کی کمزوری کی وجہ سے اکثر کارکن کرپٹ CURRUPT ہو گئے۔ رہی سہی کسر ایوبی مارشل لا نے پوری کر دی۔ کمیٹی پر پابندی لگا دی گئی۔ ہاری کمیٹی کو صحیح قیادت نہیں ملی۔ کامریڈ حیدر بخش جتوئی انتہائی مخلص لیڈر رہے۔ ان کے پاس جذبہ تھا لیکن تنظیمی کمزوری تھی ہاری کمیٹی شخصیت کے گرد سرگرم رہی۔ کارکنوں کو نظریاتی تعلیم نہیں ملی تقسیم کار نہیں تھی۔

س :۔ مشہور ہے کہ بھٹو کے دور میں لاڑکانہ نے بہت ترقی کی ہے۔ لیکن آپ کا گاؤں انتہائی خستہ حالت میں ہے سڑکیں اور گلیاں شکستہ ہیں۔ اس کے اسباب کیا ہیں؟

ج ۔ لاڑکانہ بنیادی طور پر زرعی ضلع ہے۔ زمینداری رشتے کی وجہ سے دولت صرف زمینداروں کے قبضے میں ہے بیشتر بڑے زمیندار اپنے اپنے موروثی گاؤں میں رہتے ہیں یا پھر کراچی اور حیدرآباد جیسے شہروں میں رہائش رکھتے ہیں۔ یہ زمیندار دولت تو اپنے علاقے سے کماتے ہیں لیکن خرچ یہاں نہیں کرتے۔ پاکستان سے پہلے تجارت ہندوؤں کے ہاتھ میں تھی۔ انہوں نے اپنی بڑی بڑی حویلیاں تعمیر کی تھیں شہر کی ترقی پر بھی توجہ دیتے تھے۔ پاکستان کے بعد وہ چلے گئے ان کے بعد درمیانے طبقے کے نچلے حصے نے تجارت میں جگہ سنبھالی لیکن ان کا بیشتر حصہ بھی قرب وجوار کے دیہاتوں میں رہتا ہے اس طرح اس شہر کی حالت خستہ و خراب ہوتی جا رہی ہے وارہ کے رہنے والوں کی حالت غلاموں کی طرح ہے۔

س :۔ تحصیل وارہ کے بنیادی مسائل کیا ہیں؟

ج ۔ لاڑکانہ ضلع کا یہ تعلقہ ۱۹۱۲ء سے قائم ہے۔ تعلقہ کی مردم شماری تقریباً ایک لاکھ ہے۔ حالیہ انتخابات میں ووٹروں کی تعداد تقریباً سڑسٹھ ہزار (۶۷) تھی۔ تحصیل ہیڈ کوارٹر میں ٹاؤن کمیٹی ہے۔ لیکن صحت و صفائی اور شہری سہولیات کی فراہمی کی ذمہ داری پوری نہیں کرتی۔ پورے تعلقہ میں صرف نصیر آباد میں ایک کالج ہے۔ لڑکیوں کی تعلیم کے لئے کالج تو بڑی چیز ہے۔ ہائی اسکول بھی نہیں ہے۔ دیہی میڈیکل سنٹر موجود ہے۔ لیکن عملہ اور دواؤں کی قلت ہے۔ لیڈی ڈاکٹر کا کوئی بندوبست نہیں کیا گیا ہے۔ بس اسٹینڈ کے لئے اسی ہزار کی رقم مخصوص کی گئی تھی لیکن آج تک بس اسٹینڈ تعمیر نہیں کیا گیا، آئی۔ آر۔ ڈی مرکز وارہ شہر سے ڈیڑھ میل کے فاصلے پر ایک ایسے قطعہ زمین پر تعمیر کیا جا رہا ہے۔ جو مکمل طور پر کلر کا شکار ہے۔ پھر پانچ سال گزرنے کے باوجود مرکز کی تعمیر مکمل نہیں کی گئی ہے۔ وارہ تحصیل ہیڈ کوارٹر ہے لیکن تحصیل کے بیشتر دیہاتوں کو تحصیل ہیڈ کوارٹر سے منسلک کرنے کے لئے روڈ تعمیر نہیں کیا گیا ہے۔ تعلقہ وارہ ضلع دادو کی تحصیل میہڑ سے صرف بارہ میل پر واقع ہے لیکن وارہ ۔ میہڑ براستہ گاجی کھاوڑ روڈ اب تک تعمیر نہیں کیا گیا ہے۔ وارہ کی دوسری سمت بلوچستان کی سرحد لگتی ہے وارہ سے بلوچستان کی سرحد پچاس میل ہے۔ پورے ٹکڑے میں ہزاروں چھوٹے بڑے گاؤں ہیں۔ نیز بلوچستان کے اس حصے کی تجارت کی منڈی بھی بن سکتی ہے۔ لیکن اس پورے ٹکڑے کو روڈ کے ذریعہ نہیں ملایا گیا ہے۔ نہ ہی اس طویل و عریض آبادی میں کوئی اسپتال یا ہائی اسکول وغیرہ قائم ہیں وارہ تعلقہ سبزیوں کی کاشت میں پورے ضلع میں سرِ فہرست ہے۔ گنے کی کاشت میں بھی اول نمبر پر ہے۔ جب کہ پورا علاقہ دھان کی کاشت کا علاقہ ہے لیکن علاقے کی ترقی پر توجہ نہیں دی گئی ہے۔ پولیس اور وڈیروں کی ملی بھگت سے غریبوں کا سکھ چین غارت ہے۔ آئے دن ذاتی وجوہ پر ناجائز مقدمات بنا کر غریبوں کو ستایا جاتا ہے۔ حال ہی میں رونذی پھوٹو نامی ایک شخص کو ۱۳ ۔ ڈی میں چالان کر دیا گیا۔

علاقے کا ایک بڑا مسئلہ سیم و کلر بھی ہے۔ لاڑکانہ شہر کے گرد ٹیوب ویل لگا کر سیم سے بچاؤ کی تدبیر اختیار کی گئی ہے لیکن وارہ تعلقہ پر توجہ نہیں دی گئی ہے۔

ہاریوں کی بے دخلی ایک مستقل روگ ہے بھٹو حکومت کی تبدیلی کے بعد چھوٹے کھاتہ داروں کا دباؤ بڑھ رہا ہے۔ گوٹھ علی بخش ماچھی میں احمد سعید نے گوٹھ کے بیس ہاریوں کی بے دخلی کے لئے تھانے میں درخواست دی۔ اسی طرح سوہر چولیانی گوٹھ میں عبدالنبی نے ہاریوں کو بے دخل کرنے کی کوشش کی۔ سیوہ رانگ گڑھی خیر محمد کے سرائے محمد حسنی، قادر بخش تینو، فضل محمد مقیری اور دائم خان چولیانی نے ہاریوں کی بے دخلی اور بٹائی میں زیادتی کی۔

س :۔ ہاریوں کی بے دخلی کے سلسلہ میں ہاری کمیٹی کوئی کوشش نہیں کرتی؟

ج ۔ سندھی ہاری کمیٹی نے جدوجہد کے پرانے طریقے کو ترک کر کے اجتماعی جدوجہد کا طریقہ اختیار کیا ہے۔ کسی بھی پارٹی کی بے دخلی یا زیادتی پر گاؤں کے تمام ہاری اجتماعی طور پر جدوجہد کرتے ہیں۔ اس طریقہ کار کے نتیجہ میں ہاریوں نے بعض کامیابیاں حاصل کی ہیں۔ تجربات کے ذریعہ ہم قدم قدم آگے بڑھ رہے ہیں۔ ابھی ہاری پوری طرح منظم نہیں ہوئے ہیں۔ تنظیم جتنی مضبوط ہوگی تحریک بھی آگے بڑھے گی۔ ہماری کوششیں جاری ہیں۔

س :۔ سندھ میں ہاری کمیٹی کی تنظیم کس مرحلے پر ہے؟

ج :۔ سندھی ہاری کمیٹی کے قیام سے اب تک کے مختصر عرصہ میں ہم نے اپنی تنظیم ٹھٹھہ، بدین، حیدرآباد، دادو، لاڑکانہ، جیکب آباد، خیرپور، میرپور خاص اور سانگھڑ تک پھیلا دی ہے۔ نواب شاہ میں تنظیم کی شاخ قائم ہونا باقی ہے۔ ٹھٹھہ، بدین، لاڑکانہ اور دادو میں ہمارا کام نسبتاً آگے بڑھا ہے۔
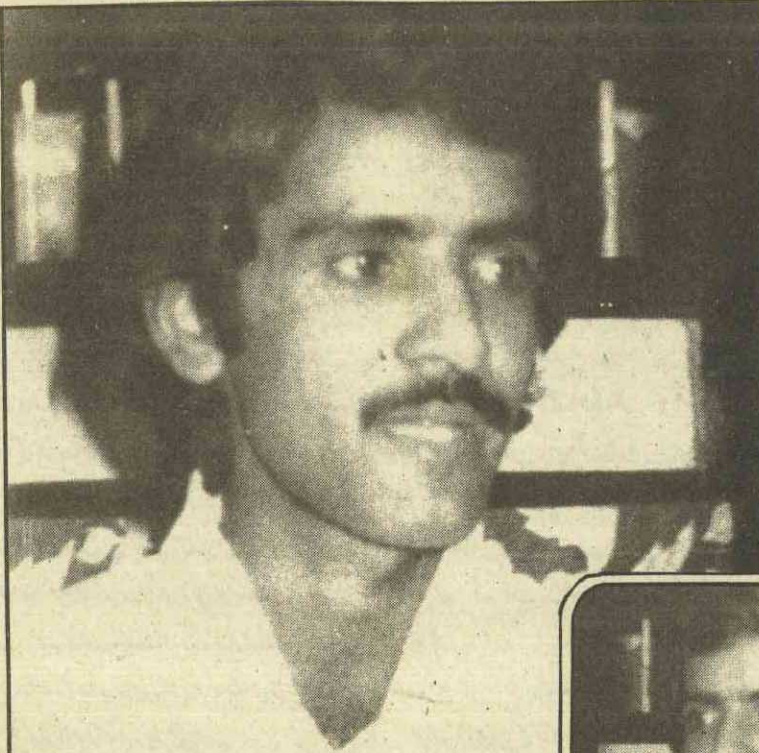
انتخابات کے التواء سے عوام میں مایوسی پھیلی ہوئی ہے' راجپر

قمر الحسن راجپر سے انٹرویو

احسان عظیم

سندھ کا بنیادی مسئلہ صوبائی خودمختاری ہے!

اکتوبر انتخابات کے التواء کے بعد این ڈی پی کے سربراہ شیر باز مزاری نے حاکم علی زرداری کو اپنا پارٹی کا آرگنائیزر اور جیئے سندھ کے معروف اسٹوڈنٹس لیڈر قمر راجپر کو سکریٹری نامزد کرکے اندرون سندھ این ڈی پی کی تنظیم کے سلسلہ میں سنجیدہ کوشش کی ۔ جیئے سندھ قوم پرست طلبا کی ایک سرگرم تنظیم رہی ہے ۔ اس تعلق سے اندرون سندھ اس کے کارکنوں کا خاصا رسوخ رہا ہے ۔ قمر راجپر صاحب نے جنرل سکریٹری کا عہدہ سنبھالتے ہی اندرون سندھ کا تفصیلی دورہ کیا تھا ۔ ان کے دورے کے دوران ان سے انٹرویو لیا گیا ۔

الفتح :۔ آپ کے موجودہ دورے کی نوعیت اور نتائج کیا ہیں ؟

جواب :۔ ہمارا دورہ خالص تنظیمی دورہ تھا ۔ ہم چاہتے ہیں کہ این ڈی پی میں ایسے افراد آئیں جو نظریاتی طور پر قوم پرست اور ترقی پسند سوچ رکھتے ہوں ۔ اس مقصد میں ہمیں توقع سے زیادہ کامیابی ہوئی ہے ۔ پیپلز پارٹی کی صفوں میں بھی اکثر ایسے افراد موجود ہیں ۔ ان میں سے بعض نے ہم سے رابطہ قائم کیا ہے اور این ڈی پی میں شمولیت کے لئے آمادہ ہیں ۔ بیشتر افراد پیپلز پارٹی سے علیحدگی اور این ڈی پی میں شمولیت کا فیصلہ اجتماعی طور پر کریں گے ۔

الفتح :۔ ابھی آپ نے ترقی پسند کی اصطلاح کا ذکر کیا ہے کیا آپ اس کی وضاحت کریں گے ؟

جواب :۔ ترقی پسند اصطلاح اپنے معنیٰ اور مفہوم کے لحاظ سے واضح ہے ۔ آج کے سیاسی حالات میں سامراج دشمنی اور عوام دوستی ، جمہوریت پسندی اور قوم حقوق کی حمایت ترقی پسندی قرار دی جاسکتی ہے ۔

الفتح :۔ این ڈی پی کے بعض رہنماؤں کے نزدیک ترقی پسندوں کی حیثیت بکاؤ مال سے زیادہ نہیں ہوتی ۔ کیا آپ ایسا نہیں سمجھتے ؟

غلط پالیسیوں کی وجہ سے زرعی معیشت تباہ ہو رہی ہے

ج :۔ ہماری پارٹی کے کسی لیڈر نے ایسا نہیں کہا ہے اگر کسی اخبار یا رسالے میں ایسا منسوب کیا گیا ہے۔ تو وہ اخبار کی غلطی ہوسکتی ہے۔ این ڈی پی کے پاس بڑے سے بڑا سرمایہ بھی اس کی ترقی پسندی ہے۔ اگر اسے نکال دیں تو پھر ہم میں اور تحریک استقلال یا کسی دوسری رجعت پرست جماعت میں فرق ہی کیا رہے گا۔ میں قوم پرست ہوں۔ ساتھ ہی ساتھ ترقی پسند بھی ہوں۔ ہاریوں اور مزدوروں کے حق کی بات کرتا ہوں۔

س :۔ ہاریوں کی باتیں تو آج بعض ایسی جماعتیں بھی کرتی ہیں جو رجعت پسند کہلاتی ہیں۔ اس لئے ہاریوں کے حق کا صرف نام لینا ترقی پسندی کس طرح ہوسکتا ہے؟

ج :۔ ہاریوں کی بات سب کرتے ہیں۔ رجعت پسند صرف اصلاح چاہتے ہیں۔ جب کہ ہم بنیادی تبدیلی چاہتے ہیں۔ فیڈرل ازم کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔

س :۔ بعض سیاست دانوں کا خیال ہے کہ سندھ میں اصل سیاسی طاقت پیر، میر اور وڈیرے ہیں۔ کیا آپ بھی ایسا ہی سمجھتے ہیں؟

ج :۔ ہم اس سوچ سے اختلاف کرتے ہیں کہ وڈیرے سیاسی قوت ہیں۔ ہمارے نزدیک اصل طاقت عوام ہیں۔ سندھ میں غریب ہاری اور مزدور بڑی اکثریت میں ہیں اور وہی سیاسی طاقت ہیں جو لوگ میروں، پیروں اور وڈیروں کو طاقت سمجھتے ہیں وہ ۱۸۴۳ء کی سوچ رکھتے ہیں۔ اسی لئے انہیں قدم قدم پر ٹھوکر کھانی پڑتی ہے۔ ایسی غلط سوچ رکھنے والوں کو آنکھیں کھول کر اپنے گرد دیکھنا چاہیئے اور اپنی سوچ کی اصلاح کرنا چاہیئے۔

س :۔ آپ نے اندرون سندھ تفصیلی دورہ کیا ہے انتخاب کے التوا کے اثرات کے بارے میں آپ کا مشاہدہ کیا ہے؟

ج :۔ انتخابات نہ کرانے سے عوام میں بداعتمادی اور مایوسی پیدا ہو رہی ہے۔ انتخابات جلد ہونا چاہیئے۔ ہمیں ہر حال میں عوام کا فیصلہ قبول ہے۔ خواہ ہم کامیاب ہوں یا ناکام اس لئے اتحاد کے پلیٹ فارم سے انتخابات کی حتمی تاریخ کے اعلان کا بار بار مطالبہ کیا گیا ہے۔ تاکہ عوام میں پھیلی ہوئی مایوسی میں کمی ہو۔

س :۔ اندرون سندھ سابقہ حکومت کی تبدیلی کے اثرات کے بارے میں آپ کا مشاہدہ کیا ہے؟

ج :۔ عوام سوچتے ہیں کہ مہنگائی، تشدد، بربریت کل بھی تھی اور آج بھی قائم ہے۔ بھٹو کے جانے کے بعد فرق عوام کے سامنے نہیں آیا۔ اسی لئے عوام میں مایوسی پیدا ہو رہی ہے۔

بھٹو حکومت کے دور میں سندھ کے عوام پر شدید مظالم ہوئے۔ ان کی حق تلفی کی گئی۔ بھٹو کے خلاف سندھ کے عوام نے آواز بلند کی۔ اس میں ہر مکتبۂ فکر کے لوگوں نے یکساں طور پر حصہ لیا۔ کرپشن، اقربا پروری، لوٹ مار، جمہوریت کی نفی، تشدد بھٹو حکومت کا طرۂ امتیاز تھا۔ حکومت کی برطرفی کے بعد صورتِ حال میں کسی مثبت تبدیلی کے بجائے عوام کی مشکلات بدستور قائم ہیں۔ عوام سوچتے ہیں کہ بھٹو کے پٹنے سے کوئی فرق نہیں پیدا ہوا ہے۔

س :۔ آپ کے خیال میں سندھ کے بنیادی مسائل کیا ہیں۔؟

ج :۔ سندھ کا بنیادی مسئلہ صوبائی خودمختاری ہے صوبائی خودمختاری کا مسئلہ عوام کی روزمرہ زندگی کا مسئلہ ہے سندھ کی زرعی معیشت کا دارومدار خریف کی کیش کراپ یعنی کپاس، گنا، اور چاول ہے۔ خرابی کا بہانہ بنا کر کپاس پر چھ سیر فی من کٹوتی کی جا رہی ہے اور ملاوٹ کا کیا جا رہا ہے۔ سرکاری قیمت ۱۲۸ سے ۱۳۸/= فی من ہے اول تو تول میں بددیانتی کی جا رہی ہے۔ اگر تول چار من بنے تو ساڑھے تین من لکھتے ہیں۔ پھر ریٹ بھی کم ادا کیا جا رہا ہے۔ یہی حال گنے کا ہے۔ آبادگاروں کو انڈنٹ نہیں مل رہا ہے۔ کٹا ہوا گنا تول کے انتظار میں سوکھ جاتا ہے شکر کے لائق نہیں رہ جاتا۔ انڈنٹ کے بعد بھی وزن پورا نہیں لکھا جاتا۔ ہر ٹرک پر دس بیس من وزن کم لکھا جاتا ہے ٹرک مل مالک خود فراہم کرتا ہے۔ اس طرح وزن میں ہیر پھیر کرنا اس کے اختیار میں ہوتا ہے۔ اسی طرح دھان کی خریداری میں بھی آبادگاروں کو سخت پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ ملک میں بڑھتی ہوئی مہنگائی کے پیش نظر ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ گذشتہ سال کے نرخ پر نظرثانی کر کے دھان اور چاول کی قیمت میں اضافہ کیا جاتا۔ لیکن موجودہ حکومت نے چاول کی قیمت میں چار روپے کمی کر دی چاول کی قیمت میں کمی کی وجہ سے چاول کے کارخانہ داروں نے ہاریوں اور آبادگاروں سے مقررہ قیمت پر دھان کی خریداری نہیں کی۔ آبادگاروں کی مجبوری کے پیش نظر کم ریٹ پر دھان اٹھایا جا رہا ہے۔ پھر اس میں بھی کٹوتی کی جا رہی ہے۔ اس صورتِ حال کے نتیجہ میں زرعی معیشت تباہ ہو رہی ہے اس کے اثرات گندم کی فصل پر بھی پڑیں گے۔ ہمارا ملک پہلے ہی غذائی قلت کا شکار ہے۔ یہ اثرات مزید تباہی کی طرف لے جائیں گے۔ اس صورتِ حال پر حکومت کو فوراً توجہ دینی چاہیئے۔ ورنہ عوام یہ سمجھیں گے کہ بھٹو کا دور بہتر تھا۔ اس طرح حکومت کی پالیسی غیر مقبول ہوگی اور عوام کے ذہنوں سے بھٹو کا نقش اتارنے کی کوششوں کو نقصان پہنچے گا۔

سندھ میں امن و امان کی حالت بھی انتہائی بدتر ہے بیوروکریسی کا رویہ عوام دشمن ہے۔ عوام کی مشکلات بدستور قائم ہیں۔ قتل، چوری اور ڈاکوں میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ سرکاری، نیم سرکاری، خودمختار اور نجی اداروں کے ملازمین کی بڑے پیمانے پر چھانٹیوں اور برطرفیوں کا مسئلہ بھی پیچیدہ ہو رہا ہے۔ معاشرے میں رہنے والوں کا تعلق فطری طور پر کسی نہ کسی سیاسی پارٹی سے ہوتا ہے۔ سیاسی نظریات کی بنیاد پر برطرفی غلط ہے۔ قانون سب کے لئے یکساں ہونا چاہیئے۔ روزگار سب کا حق ہے۔ برطرفیاں بند ہونی چاہئیں۔

س :۔ آپ کے خیال میں ان مسائل کا حل کیا ہے؟

ج :۔ مسائل کا حل جلد سے جلد انتخابات کے ذریعہ نمائندہ حکومت کا قیام ہے۔ عبوری حکومت مسائل سے واقف نہیں ہے۔ اسی لئے یہ ضروری ہے کہ عوام کو اقتدار منتقل کیا جائے۔ تاکہ منتخب نمائندے مسائل کو ٹھوس انداز میں حل کرنے کی تدابیر اختیار کریں۔

س :۔ آپ کی پارٹی کا موقف تھا کہ پاکستان کی وحدتوں کو لسانی اور تاریخی بنیاد پر تشکیل دیا جائے گا۔ اس نکتہ میں کسی نظرثانی کی گنجائش ہے؟

ج :۔ سندھ کی حد تک ہم اس نکتہ پر متفق ہیں لیکن اگر دوسری لسانی وحدتیں اگر اس پر نظرثانی چاہیں تو ہمیں اعتراض نہیں ہوگا۔

س :۔ ماضی میں جیئے سندھ کے بارے میں یہ شہرت تھی کہ وہ سندھ کی آزادی کے نقیب ہیں۔ کیا یہ درست ہے۔؟

ج :۔ چھوٹے صوبوں کے ساتھ مستقلاً ناانصافیاں کی جاتی رہی ہیں۔ اس کی وجہ سے عوام میں احساس محرومی ابھرا ہے اور اس صورتِ حال کے خلاف جدوجہد کی گئی ہے۔ بعض عناصر نے احساس محرومی کے خلاف جدوجہد کو آزادی کا ہم مفہوم سمجھا ہے۔

— سید نذیر گیلانی

جعلساز بُت نہ بھٹو کے ساتھ نہ عوام کے ساتھ

آزاد کشمیر میں نئی انتخابی فہرست چھ ماہ میں چھپ جائیگی

آزاد کشمیر میں آئینی اعتبار سے مارشل لاء کی کوئی حیثیت نہیں اور نہ ہی وہاں مارشل لاء کے تحت عائد کردہ پابندیاں محسوس کی جا رہی ہیں۔ البتہ پیپلز پارٹی کی حکومت کی برطرفی کے بعد ایک عبوری حکومت قائم ہے۔ پاکستان میں ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں عوام کی صحیح رائے کا جائز نتیجہ نکلا جبکہ ۱۹۷۷ء کے انتخابات میں دھاندلی کے الزام کے تحت ملک گیر تحریک کے بعد موجودہ مارشل لاء نافذ ہوا۔ آزاد کشمیر میں پیپلز پارٹی کی حکومت بالکل غیر آئینی اور عوام کے اظہار رائے سے بالاتر ہی قائم ہوئی تھی۔ سردار محمد عبدالقیوم خان کو معزول کرنے کے بعد نظر بند کر دیا گیا۔ اور آزاد کشمیر کے عوام کے بجائے سعیات محمد مٹن اجلال حسین زیدی اور چند ایسے ہی وفادار اور نگ زیب ٹائپ" موسمی وفاداروں نے ووٹ ڈالے بھی اور گنے بھی۔ عوامی شرکت اور رضامندی کے بغیر قائم ہونے والی اس کابینہ اور اسمبلی نے دروغ گوئی کا ایک ایسا طریقہ اور نیا ریکارڈ قائم کیا کہ آزاد کشمیر اسمبلی میں حزب مخالف کے امیدواروں (ممبران) نے سپیکر کو ایک "وزارت جھوٹ" بنانے کی بھی تجویز پیش کی تھی۔ عوامی رائے کو بری طرح پامال کیا گیا اور اس الیکشن کو سابقہ ایف ایس ایف کے بل بوتے پر بٹھا ما گیا۔ غرض یہاں کے عوام کی مرضی کے بغیر قائم شدہ حکومت کی برطرفی کا کسی کو دکھ نہیں۔ البتہ ایک نمائندہ حکومت ہر مہذب معاشرے کی ضرورت ہے۔ اس طرح یہاں کے ایک مخصوص مفاد پرست ٹولے نے ایف ایس ایف کی پناہ میں حکومت کا جو چارج سنبھالا تھا اس دور سے اب تک یہاں کے عوام کی رائے کا حکومت سازی میں کوئی عمل دخل نہیں۔ بلکہ ایسی حکومت کا قیام اظہار رائے پر ایک کھلا ڈاکہ تھا۔ غیر جمہوری عمل میں شریک یہ ٹولہ آجکل منت سماجت سے کسی ایک اخبار میں بیان داغ دیتا ہے اور بعض ایک کو اسلام آباد اور راولپنڈی کے ہوٹلوں کی یاد بے چین کرتی ہے۔ تو اس طرح نہ ان کا حصہ عوام کی رائے سے قائم شدہ حکومت میں تھا اور نہ ہی ان سے نمائندہ حکومت کے قیام میں کسی کوشش کی امید ہے۔ پھر محاسبے کا پھندا برابر ان کی گردنوں میں اٹکا ہے۔ "پبلسٹی مائنڈڈ" یہ جعلی عوامی نمائندے ایک آدھ کیمرہ میں خصوصی طور پر بھٹو صاحب کے ساتھ ہاتھ ملاتے وقت ہمراہ رکھتے تھے۔ یہ جعلسازی کے بت اب نہ بھٹو صاحب کے ساتھ ہیں اور نہ عوام کے۔

البتہ انہیں حالات کے ہاتھ میں اٹکی ڈور کے کسی پار لگنے کا انتظار ہے۔ اور بدلے حالات میں فٹ ہونے کے لیے نئے شیطانی حربوں کا تجربہ ان کا پرانا شغل ہے۔

اگرچہ نئی نمائندہ حکومت کی تشکیل کے دن ابھی بہت دور ہیں۔ پھر بھی چیف الیکشن کمشنر مسٹر جسٹس قاضی محمد گل نے ووٹروں کے تازہ اندراج کی بنیاد پر نئی انتخابی فہرستوں کی تیاری کے احکامات جاری کر دیئے ہیں۔ تسلی کے لیے ایک تھپکی بھی کافی ہے بشرطیکہ اس میں محبت، ایثار اور خلوص کی حرارت موجود ہو۔ آزاد کشمیر میں صحیح انتخابی فہرستیں آزادانہ اور منصفانہ انتخابات کرانے کے لیے ایک بہت ٹیڑھا مسئلہ تھا۔ مہاجرین کی فہرستوں میں غیر کشمیری لوگوں نے ناجائز طور پر اپنے نام ہزاروں کی تعداد میں درج کرائے تھے اور پاکستان میں مقیم جموں وکشمیر مہاجرین کے لیے مخصوص بارہ[12] نشستوں کا انتخاب بالکل جعلی ہو کر رہ گیا تھا۔ اب صحیح انتخابی فہرستیں تیار کرنے کے لیے بعض نہایت ہی اہم اور بالکل نئے اقدامات کیے گئے ہیں۔ ہر ضلع اور تحصیل میں رجسٹریشن افسروں کے علاوہ ان کے اپنے مقررہ کردہ اہلکار گھر گھر جا کر ووٹروں کی گنتی، نگرانی، انتخابی فہرستوں کے مسودے کی تیاری، دعوؤں اور اعتراضات کے تصفیہ اور قطعی انتخابی فہرستوں کی چھپائی کا سارا کام چھ ماہ کے عرصے میں مکمل کریں گے۔ یہ بنیادی کام مکمل ہو جانے کے بعد نئے انتخابی پروگرام کے قطعی اعلان کی راہ ہموار ہو جائے گی۔

اس نئے انتظام میں دوسری اہم بات گھرانے کی بنیاد پر فہرستوں کی تیاری ہے۔ اور حروف تہجی کی ترتیب کے لحاظ سے فہرستوں کی تیاری کا موجودہ طریقہ اختیار نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ اس سے پولنگ میں بڑی دقت پیش آتی ہے موجودہ رائج طریقے میں ایک ہی گھر کے افراد کو مختلف پولنگ اسٹیشنوں پر جا کر ووٹ ڈالنا پڑتا ہے۔ جبکہ یہ پولنگ اسٹیشن بھی ایک دوسرے سے بہت دور واقع ہوتے ہیں۔ نئے طریقے کے تحت ایک گھرانے کے افراد بالعموم ایک ہی پولنگ اسٹیشن پر ووٹ ڈال سکیں گے۔ پھر تیسری قابل تعریف بات ووٹ ڈالنے کے لیے اہل ہونے کے لیے عمر کی جو حد مقرر کی گئی ہے۔ اس پر پورا اترنے کی تاریخ یکم جنوری ۱۹۷۸ء تک بڑھا دی گئی ہے۔ جعلی اندراج پر قابو پانے کے لیے ان فہرستوں میں ایک نئے کالم کا اضافہ کیا جا رہا ہے جس میں پاکستان میں رہنے والے جموں وکشمیر مہاجرین آزاد کشمیر اسمبلی کے انتخابی حلقوں میں اپنا اصل پتہ بھی درج کریں گے جہاں وہ ریاست جموں وکشمیر میں رہتے تھے۔ اب بوگس ووٹوں کے اندراج کو روکنے کے لیے عوامی تعاون بھی ایک ضروری اور آخری فیصلہ کن مرحلہ ہے۔ عام شہریوں کی بھی ذمہ داری ہے کہ وہ منصفانہ انتخابات کے لیے جعلی ووٹ درج نہ ہونے دیں۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ سہولت پاکستان میں مقیم آزاد کشمیر کے باشندوں کو بھی دی گئی ہے۔ تاہم انہیں بھی آزاد کشمیر کے پرانے پتے اس کالم میں درج کرنے ہونگے۔

ساتھ ہی حلقہ بندی میں خامیوں کے ازالے کا کام بھی شروع ہو گیا ہے۔ آزادانہ اور منصفانہ انتخابات کے لیے صحیح انتخابی فہرستیں ایک اولین ضرورت ہیں عام التوا سے اگرچہ کسی قدر بلکہ ایک خاص حد تک جو مایوسی پھیلی ہوئی ہے۔ اس دوران اس پورے انتظام کو بہتر اور مائیر پروف بنانے کے لیے کئی اقدامات کرنے میں مدد ملے گی جسٹس محمد گل

نے کہا کہ آزاد کشمیر میں انتخابات پاکستان کے انتخابات کے دس روز بعد کرانے کی جو شرط رکھی گئی ہے اس کی کوئی قانونی حیثیت نہیں۔ یہاں اس سے قبل بھی انتخابات ہو سکتے ہیں۔ الیکشن کمیشن کی یہی کوشش ہے کہ فہرستوں کا کام چھ ماہ میں مکمل ہو جائے۔ اندراج کرنے والے عملے کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ ووٹروں کے ناموں کے اندراج ۱۵ فروری تک مکمل کر لے۔ اس کے بعد ان کی جانچ پڑتال کا مرحلہ آئے گا۔ اس طرح سال رواں کے جون تک فہرستوں کی طباعت ممکن ہے۔ انتخابی فہرستوں کو غلطیوں سے پاک رکھنے کے لیے ہر ممکن اقدامات ہو رہے ہیں۔ کوشش کی جا رہی ہے کہ پاکستان کی طرح آزاد کشمیر میں بھی انتخابی فہرستوں پر ہر سال نظر ثانی ہو۔

ادھر جعلی عوامی نمائندوں کا ایک اور اسکینڈل بے نقاب ہوا۔ مہاجرین جموں و کشمیر کے لیے آنے والے کروڑوں روپے مالیت کے سامان کے خرد برد کے انکشاف نے کشمیریوں میں سخت بددلی پھیلا دی ہے۔ ۱۹۶۵ء اور ۱۹۷۱ء کی جنگوں کے متاثرین اور مقبوضہ کشمیر سے ہجرت کر کے آنے والے مہاجرین کی امداد کے لیے ہلال احمر پاکستان اور دیگر رفاہی اداروں کی طرف سے کروڑوں روپے کے سامان کی صورت میں امداد میں سنگین خرد برد کی تحقیقات کا حکم چیف ایگزیکیٹو نے دے دیا۔ اشیائے خوردنی اور کروڑوں روپے کے دوسرے سامان کو بھاری مقدار میں اعلیٰ سرکاری ملازمین کی ملی بھگت سے بازار میں فروخت کیا گیا۔ انسانیت کے نام پر سیاسی بدعنوانی اور انتظامی بددیانتی کی کہانی ابھی ایک انکشاف تک محدود نہیں بلکہ یہ راہ بہت سی اونچی اور رنگین عمارتوں کی طرف بھی جاتی ہے۔ محض انکشافات سے عوام کا اعتماد بحال نہیں ہو سکتا ہے۔ بلکہ اس کے لیے وسیع پیمانے پر دیانتدارانہ اور سیاسی طرفداری سے بالاتر تحقیقات بہت ضروری ہے۔ کیونکہ آزاد کشمیر میں عرصہ دراز سے عام آدمی کا حقِ اظہار پامال ہوتا آیا۔ آج تک کی حکومت سازی میں اس کا حصہ بہت ہی غیر محسوس تھا۔ یہ حکومتیں کم و بیش کسی ایک خفیہ ہاتھ کی پشت پناہی اور غیر جمہوری قوت کے ایما پر یہاں کے عوام کا خون چوستی رہیں۔ آزاد کشمیر کی عبوری حکومت نے ابھی تک بدعنوان اور نا اہل لوگوں کی طرف قطعی دھیان نہیں دیا۔ بلکہ جعلی ڈگریوں پر مالدار گھرانوں کے بیٹے اب بھی اعلیٰ عہدوں پر فائز ہیں۔

ڈیرہ غازی خان

مارشل لا کے دور میں صورت حال زیادہ خراب ہو گئی ہے

ایک سپاہی کی آمد سے چوپال خالی ہو جاتے ہیں

عاشق حسین بزدار

پاکستان پیپلز پارٹی کی مخالفت و موافقت درکار نہیں صرف مارشل لا انتظامیہ کے دور میں یہاں کے محنت کش عوام کے معاشرتی حالات کا تذکرہ مقصود ہے۔ پاکستان پیپلز پارٹی کے دورِ اقتدار میں بھی عوام کو ہر طرح کا سکون حاصل نہیں تھا لیکن مارشل لا کے دور میں صورتِ حال کچھ زیادہ خراب سی ہو گئی ہے۔ کسان وسیع پیمانے پر دوبارہ جاگیردارانہ استحصال میں جکڑے جا چکے ہیں۔ مزارعین کی بے دخلیاں برابر جاری ہیں۔ زمیندار بیج ادا نہیں کر رہے۔ بٹائی کا پرانا استحصالی طریق کار لوٹ آیا ہے تھانوں کے بھاگ جاگ اٹھے ہیں۔ زمینداروں کی طرف سے مٹھی گرم ہونے پر پولیس کاشتکاروں کو مارشل لا کے کوڑے کی جھنکار سنا کر خوفزدہ کر رہی ہے پولیس کا ایک سپاہی والا شان۔ جس دیہات کا رخ کرتا ہے، چوپال خالی ہو جاتے ہیں۔ چھٹی دلال نمبرداروں نے اپنے شملے اور اونچے کر لیے ہیں۔ جب سے پولیس کا ترانہ وضع کیا گیا ہے وہ عوام کی کچھ زیادہ گوشمالی کرنے لگی ہے۔ سماج دشمن عناصر کے خلاف مستحسن مہم کا حکم پولیس تک پہنچتے پہنچتے غیر مستحسن ہو جاتا ہے۔ سماج دشمن عناصر کی سرپرستی کرتے ہوئے پولیس کی بے راہ روی کے لیے چیلنج غیرت مند انقلابی سیاسی کارکنوں کو دھر لیا جاتا ہے۔ پولیس مین دوستوں کی زبانیں جدید اور فحش گالیوں کی ٹکسالیں

بن گئی ہیں۔ کسی معزز شہری کو ہمت نہیں پڑتی کہ وہ کسی صاحب سے کوئی استفسار کر سکے۔ کیونکہ استفسار کو مزاحمت کا نام دے کر کوڑوں کی بھینٹ چڑھا دیا جاتا ہے۔ ذخیرہ اندوزی اور ناجائز منافع خوری کے سبب مہنگائی عروج پا رہی ہے۔ روزمرہ استعمال کی اشیا عوام کی دسترس سے بالا ہوتی جا رہی ہیں جس سے چوری اور ڈکیتی کا رجحان شدت پکڑ رہا ہے بخصوصاً دیہی عوام کا سکون لٹ چکا ہے۔ کسی کمزور کی چادر اور کوئی چار دیواری محفوظ نہیں رہی عوام میں شدید اضطراب کی سی کیفیت پائی جاتی ہے خود غرضی کا ماحول چھاؤنی چھا رہا ہے اور ان حالات میں کچھ ناعاقبت اندیش لوگ وسیع پیمانے پر عوام میں نفرتوں کا چلن عام کرنے کے لیے کفر سازی کی مہم چلاتے ہوئے ہیں۔ ان حالات کے پیش نظر خدانخواستہ اگر نفرتوں کے تمام عوامل یکجا ہو گئے تو جانے کیا ہو گا؟ ہر اہل نظر محب الوطن کے لیے یہ سوال انتہائی پریشان کن ہے۔ حالات کو سلجھانے کے لیے چادر اور چار دیواری کے تحفظ کا ذمہ اٹھانے والے اپنے دعووں کا پاس کریں اور ۵ جولائی کے بعد پیدا ہونے والے سنگین معاشرتی مسائل کی طرف توجہ دیں۔ عوام کو "بھٹو" کے احتساب سے دلچسپی نہیں یہ احتساب مارشل لا حکام کی اپنی پسند کا مسئلہ ہے۔ عوام کی پسند تو یہ ہے کہ سرمایہ داروں، جاگیرداروں، ناجائز منافع خوروں، بلیک مارکیٹروں، سمگلروں، انتظامیہ کے چھٹی دلالوں، غیرت مند نوجوانوں کا احساس کچلنے والے پولیس کے شوقیہ فنکاروں اور مذہب کے مفسد تاجروں سے نجات دلائی جائے تاکہ عوام سکھ کا سانس لے سکیں۔ مارشل لا حکام کے نزدیک یہ کوئی کٹھن کام نہیں صرف احساس اور توجہ کی ضرورت ہے

امر جلیل

عام طور پر شکایت کی جاتی ہے کہ پاکستان میں اعداد و شمار جمع کرنے کا کوئی مناسب بندوبست نہیں ہے۔ لہذا اعداد و شمار کی عدم موجودگی میں ہم کسی بھی شعبے کے متعلق یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتے۔ ہم یہ نہیں بتا سکتے کہ پاکستان کی بیوروکریسی میں بیس اور بیس سے اوپر کے گریڈ کے کتنے افسر دن میں ایک مرتبہ مسکراتے ہیں۔ اور کتنے افسر ہفتے میں ایک مرتبہ۔ کتنے افسر مہینے میں ایک مرتبہ اور کتنے افسر سال میں ایک مرتبہ مسکراتے ہیں! اعداد و شمار کی عدم موجودگی میں ہم یہ بھی یقین سے نہیں بتا سکتے کہ کتنے افسر اپنی اپنی بیوی سے ڈرتے ہیں۔ کتنے افسر دوسرے شخص کی بیوی کو خوبصورت سمجھتے ہیں۔ کتنے افسر تنخواہ تو دو ڈھائی ہزار روپے لیتے ہیں لیکن ان کے اخراجات پانچ چھ ہزار روپوں سے تجاوز کر جاتے ہیں۔

اعداد و شمار کی عدم موجودگی میں ہم یہ بھی نہیں جان سکتے کہ ملک کے کتنے بچے کھلونوں سے کھیلتے ہیں اور کتنے بچے کھلونوں کو ترستے ہیں۔ ہم یہ بھی نہیں جانتے کہ ملک کے کتنے لوگ زیادہ کھانے کی وجہ سے بدہضمی کا شکار ہیں اور کتنے فی صد لوگ فاقہ کشی کرتے ہیں۔ ہم یہ بھی نہیں جانتے کہ ملک کے کتنے لوگ سچ کو سچ اور جھوٹ کو جھوٹ سمجھتے ہیں۔ اور کتنے لوگ جھوٹ کو سچ اور سچ کو جھوٹ سمجھتے ہیں۔ اعداد و شمار کی عدم موجودگی میں ہم یہ بھی نہیں جان سکتے کہ کتنے لوگ زندگی میں ایک مرتبہ محبت کرتے ہیں اور کتنے لوگ پانچ دس پندرہ اور پچاس مرتبہ محبت کرتے ہیں۔ کتنے لوگ ایسی محبت کرتے ہیں جو عبادت کے حدود کو چھوتی ہے اور اس محبت کی خاطر وہ صلیبوں کو قبول کرتے ہیں۔

اعداد و شمار جمع کرنے کا مناسب بندوبست نہیں ہمارے ملک میں۔ ہم یہ نہیں بتا سکتے کہ عید اور جمعے کی نماز کے دوران کتنے جوتے چرائے جاتے ہیں۔ ہم نہیں جانتے کہ کتنے محمود ایاز کے ساتھ اور کتنے ایاز محمود کے ساتھ پہلی صف میں نماز ادا کرتے ہیں۔ ہم یہ بھی نہیں جانتے کہ کتنے لوگ ہسپتالوں کے باہر دوا کے انتظار میں دم توڑ دیتے ہیں اور کتنے لوگ دوا لینے کے بعد دم توڑ دیتے ہیں۔

ہم یہ بھی نہیں جانتے کہ کتنے لوگ باتھ روم میں گانا گاتے ہیں۔ بس یوں سمجھ لیجیے کہ اعداد و شمار کے نہ ہونے کی وجہ سے ہم اپنے ملک کے بارے میں بہت کم جانتے ہیں۔ لیکن ہمارے ملک کے قابل صد احترام اور ضرورت سے زیادہ پڑھے لکھے سیاستدان اس سلسلے میں اعداد و شمار کے محتاج نہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ عوام کیا چاہتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ قوم کی خواہش کیا ہے۔ اس بارے میں ہمارے قابل صد احترام سیاستدانوں نے ہمیں بہت کچھ بتایا ہے۔ ساڑھے سات کروڑ عوام کی خواہشوں تمناؤں اور مطالبوں کے بارے میں سیاستداں کیوں کر اعلانیہ اور حلفیہ بیان دیتے ہیں۔ اس بارے میں ہم کچھ نہیں جانتے۔ غالباً سیاستدانوں کے پاس کوئی آلہ ہے یا ان کے قبضۂ قدرت میں کوئی جن ہے جو ان کو ساڑھے سات کروڑ عوام کی امنگوں سے آگاہ کرتا رہتا ہے۔ بہر حال سیاستدانوں کے توسط سے ساڑھے سات کروڑ عوام کیا چاہتے ہیں۔ وہ حسب ذیل ہے۔

عوام احتساب چاہتے ہیں۔

عوام انتخابات چاہتے ہیں۔

عوام کے نقطہ نظر سے انتخابات سے پہلے احتساب ضروری ہے۔

احتساب کی وجہ سے انتخابات میں تاخیر عوام کی امنگوں کے منافی ہے۔

انتخابات کے ساتھ ساتھ احتساب کا عمل جاری رہنا چاہیئے۔

احتساب کے ساتھ ساتھ انتخابات کی تیاریاں مکمل ہونی چاہیئں۔

عوام پیپلز پارٹی سے نفرت کرتے ہیں۔

عوام پیپلز پارٹی کے ساتھ ہیں۔

ملک کے ساڑھے سات کروڑ عوام ذوالفقار علی بھٹو کو ٹھکرا چکے ہیں۔

ملک کے ساڑھے سات کروڑ عوام اب بھی ذوالفقار علی بھٹو کی قیادت کے متمنی ہیں۔

ملک کے ساڑھے سات کروڑ عوام ولی خان کو وزیر اعظم دیکھنا چاہتے ہیں۔

ملک کے ساڑھے سات کروڑ عوام اصغر خان کو وزیر اعظم دیکھنا چاہتے ہیں۔

ملک کے ساڑھے سات کروڑ عوام اشرف خان خاکسار کو ملک کا وزیر اعظم دیکھنا چاہتے ہیں۔

عوام چاہتے ہیں کہ قیمتوں کو ۱۹۷۰ء کی سطح تک لایا جائے۔

عوام چاہتے ہیں کہ قیمتوں کو ۱۹۶۰ء کی سطح تک لایا جائے۔

عوام چاہتے کہ قیمتوں کو ۱۹۵۰ء کی سطح تک لایا جائے۔

عوام چاہتے ہیں کہ قیمتوں کو ۱۹۴۰ء کی سطح تک لایا جائے۔

عوام کے تمام مسائل کا حل انتخاب ہیں۔

عوام کے تمام مسائل کا حل احتساب کا عمل ہے۔

عوام چاہتے ہیں کہ انتخابات اگلے سال مارچ میں کرائے جائیں۔

عوام چاہتے ہیں کہ انتخابات اگلے سال جون میں کرائے جائیں۔

عوام چاہتے ہیں کہ انتخابات اگلے سال اکتوبر میں کرائے جائیں۔

قوم کو بھنڈی گوشت پسند ہے۔

قوم کو بالٹی گوشت پسند ہے۔

قوم کو مرغ مسلم پسند ہے۔

قوم کو کھٹی کڑھی پسند ہے۔

قوم کو چٹپٹے وعدے پسند ہیں۔

[illegible]

قوم الظالمین کی جگہ قوم المظلومین کو حکمران بنایا جائے

محمد منیر صاحب کا جو مضمون "فکر فردا" کے عنوان سے ۹ نومبر کو "پاکستان ٹائمز" میں شائع ہوا ہے وہ کئی وجوہ کی بنا پر اہم ہے۔ ایک اس لئے کہ یہ ایسے صاحب نے لکھا ہے جو پنجاب کے چیف جسٹس، پاکستان کے چیف جسٹس اور متعدد تحقیقاتی کمیشنوں کے سربراہ کی حیثیت سے قانونی اور آئینی اعتبار سے اس ملک کی زندگی پر فیصلہ کن طور پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ دوسرے اس مضمون میں پاکستان کے مستقبل کے بارے میں گہری تشویش کا اظہار کیا گیا ہے۔ تیسرے اس میں ایسے بنیادی نکات کو چھیڑا گیا ہے۔ جنہوں نے پچھلے تیس برسوں سے ہمیں پریشان کر رکھا ہے، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ مضمون میں بعض ان دوسرے اہم مسائل سے صرف نظر کیا گیا ہے جن کا پاکستان کی نشوونما سے براہ راست تعلق ہے۔ فاضل مضمون نگار نہ صرف اپنی علمیت اور قانونی بالغ نظری کے لئے مشہور ہیں بلکہ روشن خیال بھی سمجھے جاتے ہیں

عام کھیلوں کے شوقین اور بھرپور زندگی گذارنے کے قائل سابق چیف جسٹس ایسے رجائیت پسند واقع ہوتے ہیں کہ انہیں یقین ہے کہ مشکل سے مشکل حالات میں بھی بچاؤ کی عملی صورت نکل آتی ہے اور آخر کار سب ٹھیک ٹھاک ہو جاتا ہے۔ اگر ایسی ہستی پختہ عمر و دانش کے باوجود یہ سوال اٹھانے پر آجائیں کہ "کیا ہم اپنے مستقبل سے مایوس ہو جائیں؟" تو اہل پاکستان کو سارے کام کاج چھوڑ کر ان کی بات پر دھیان دینے کے لئے تیار ہو جانا چاہیئے۔ آخر وہ کون سی بات ہے کہ وہ اس قدر مایوس ہو گئے ہیں!

اپنے مضمون میں منیر صاحب نے ایک تو یہ فرمایا ہے کہ تین پارلیمانی اور ایک صدارتی نظام حکومت جن کو بالترتیب ۴۷ء، ۱۹۵۶ء، ۱۹۷۳ء اور ۱۹۶۲ء کے دستوروں پر استوار کیا گیا تھا ناکام ہو چکے ہیں اور اب پاکستان میں پانچواں مارشل لا نافذ ہے۔ دوسرے موصوف کو اس کا کوئی امکان نظر نہیں آتا کہ کوئی پارلیمانی یا صدارتی نظام اپنی جدید صورت میں قدامت پسند طبقے کے نظام مصطفٰے کے تصور پر مبنی ہو کر کامیاب ہو سکے۔

انہوں نے اس کا رونا رویا ہے کہ دنیائے اسلام میں پچھلی کئی صدیوں سے جملہ علوم میں ہر طرح کی تحقیق ختم ہے اور بعینہٖ یہی حال مذہبی افکار کا ہے۔ اس تحقیق کے نہ ہونے سے فقہ کے واجب الاحترام اور عالم چار اماموں کے اجتہاد کے حرف آخر ہونے کا عقیدہ راسخ ہو گیا۔ یوں صاحب مضمون کی رائے میں آئندہ اجتہاد کا دروازہ بند ہو گیا اور مذہبی افکار جامد ہو کے رہ گئے جو موصوف کو ایک قابل عمل دستور مرتب ہونے کی امید کچھ حد تک اس میں نظر آتی ہے کہ مولانا مودودی کا نظریہ تسلیم کر کے اسے پھیلایا جائے اور اجتہاد اور اجماع کا مفہوم وسیع کیا جائے تاہم وہ کہتے ہیں کہ گو نظری اعتبار سے اجتہاد اب بھی ممکن ہے لیکن کتنے ایسے لوگ ہیں جو مجتہد بننے کے قابل ہیں

فاضل مضمون نگار کے نزدیک ایک مشکل یہ بھی ہے کہ جذبہ قوم پرستی کو اسلام سے ہم آہنگ کیسے کیا جائے وہ مشرقی پاکستان کی مثال دے کر کہتے ہیں کہ اسلام ملک کو متحد رکھنے کے لئے نہایت ہی کمزور رشتہ ہے۔

آخر میں ان کا کہنا یہ ہے کہ بیگم بھٹو کے مقدمے کا فیصلہ سپریم کورٹ کی طرف سے جو بھی ہو، موجودہ بحران ختم نہیں ہو سکے گا اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اس مملکت خداداد کا انجام کیا ہوگا۔

فاضل مضمون نگار نے جن مسائل کی بات کی ہے وہ اصولی ہیں۔ ان کی نشاندہی کرنے کے لئے موصوف اور "پاکستان ٹائمز" دونوں مبارک باد کے مستحق ہیں لیکن دیکھا جائے تو فوری اور توجہ طلب معاملات وہ نہیں جو انہوں نے بیان کئے ہیں یعنی یہ کہ اجماع اور اجتہاد جیسے نزاعی معاملات کو اجتہاد ہی کے ذریعے نیا مفہوم عطا کیا جائے کیونکہ مضمون نگار ہی کے الفاظ میں آج کی دنیا میں معاشی امور کچھ مذہبی امور کے مقابلے میں زیادہ

ظالموں کا نہ کوئی دوست ہوگا نہ کوئی سفارشی

انگریزی میں یہ مضمون پاکستان ٹائمز کی ۲۵ نومبر

توجہ دی جا رہی ہے اور آدھی سے ز
دستوروں کے مطابق زندگی گذار رہ
خالصتاً معاشی ہیں۔"
تاریخ کے سا
چلتا ہے کہ جب معاشرتی نظام ر
اور معاشرے میں انتشار کا عمل شر
جھٹکے ناگزیر اور متواتر ہو جاتے ہیں
کے بعد دستور سازی کی باتے او
اور بنیادی ہو جاتے ہیں۔ معاش
ہچکولے کھانے لگتا ہے اس کا ا
اور عدم مساوات کا خاتمہ ہوتا ہے۔
بغیر حاصل نہیں ہو سکتا کہ انصا
طبقات کی گدی پر استحصال کے تن
بیٹھ جائیں۔ یعنی "قوم الظالمین" کی ج
حکمران بنایا جائے۔ تاریخ ہمیں بتاتی
کی ضرورت اس لئے پیدا ہوتی ہے ک
دل اخلاق و انصاف کے درس س
سکتے اور وہ اپنی مراعات اور اپنے
رضاکارانہ طور پر دستبردار نہیں ہ
برعکس ناانصافی پر مبنی معاشی اور
چلائے رکھنے کے لئے وہ طاقت
کرنے پر آجاتے ہیں۔ وہ ج ... زور س
مظاہرہ کرتے ہیں اسی حساب سے

حقیقی سیاسی قوت پانچ سو جاگیرداروں اتنے ہی افسروں او

پا

[illegible] کے بعد بھی اکثریت سے الگ رہتی ہے

نومبر کی اشاعت میں چھپا تھا

ھی سے زیادہ دنیا ایسے
ی گذار رہی ہے جن کے مقاصد

یخ کے سائنسی مطالعہ سے پتہ
ی نظام رو بہ زوال ہوتا ہے
ر کا عمل شروع ہو جاتا ہے تو
و جاتے ہیں۔ ایسے میں ہر جھٹکے
ی جاتے اور مسائل زیادہ اہم
یں۔ معاشرہ بار بار سیاسی
ے اس کا اصل مسئلہ ناانصافی
سا ملتا ہے۔ یہ مقصد اس کے
کتا کہ انصاف دشمن اور ظالم حکمران
سال کے تشکار مظلوم طبقات
ظالمین" کی جگہ "قوم المظلومین" کو
ہمیں بتاتی ہے کہ اس تبدیلی
ا ہوتی ہے کہ حکمران طبقات کے
ے درس سے نہیں بدلے جا
ت اور اپنے مناصب اقتدار سے
وار نہیں ہو جاتے۔ اس کے
معاشی اور معاشرتی نظام کو
وہ طاقت کا بے دریغ استعمال
ی زور سے جبر و استبداد کا
حساب سے معاشرے میں ابتری

پھیلتی ہے اور جس نظام کو بچانے کی انہیں فکر ہوتی ہے وہ کمزور تر ہوتا جاتا ہے۔ معاشی حالات دگرگوں ہو جاتے ہیں۔ معاشرتی برائیاں بڑھ جاتی ہیں لوگوں کی تخلیقی قوتیں شل ہو جاتی ہیں۔ افراد معاشرے کی روایتی اخلاقی اقدار کو ترک کر دیتے ہیں۔ سیاسی عدم استحکام شروع ہو جاتا ہے حکمران طبقات حکومتیں چلانے کے ناقابل ہو جاتے ہیں اور جنگوں میں شکست کھانے لگتے ہیں۔ وہ خبردار ہونے سے قاصر رہ جاتے ہیں اور کسی قسم کی وارننگ کو خاطر میں لانے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ وہ اپنی ضد پر اڑے رہتے ہیں اور تاریخ کے اسباق فراموش کر دیتے ہیں اور اس کتاب مقدس یعنی القرآن کے احکام پس پشت ڈال دیتے ہیں جو اجتہاد کی اصل الاصول ہے۔

اور ڈرا ان کو ایک قریب آنے والی مصیبت کے دن سے (یوم الآزفہ) اور جب غم کے کلیجے منہ کو آجائیں گے۔ ظالموں کا نہ کوئی دوست ہوگا نہ کوئی "سفارشی" جس کا کہا مانا جاوے۔ (سورۃ ۴۰، آیت ۱۸)

(یوم الآزفہ" آنے والی تباہی کا دن ہے۔ یہ ایسا دن ہے جو قریب بھی ہے اور "یوم قیامت" سے مختلف بھی)

"ایسی بہت سی بستیاں ہیں جن کو ہم نے ہلاک کیا وہ ظالم تھیں، بس وہ گری ہوتی ہیں اوپر اپنی چھتوں کے، اور بہت کنوئیں ناکارہ پڑے ہوئے ہیں اور کتنے اونچے محل۔ کیا پھرے نہیں بیچ زمین کے، جس سے ان کو دل ہوتے، کہ ان سے سمجھنے لگیں اور کان کہ ان سے سننے لگیں۔ پس تحقیق وہ نہیں کہ اندھی ہو جاتی ہیں آنکھیں ولیکن اندھے ہو جاتے ہیں دل جو بیچ سینوں کے ہوتے ہیں۔" (سورۃ ۲۲ آیات ۴۵ و ۴۶)

"کیا پس ان لوگوں نے بیچ زمین کے چل پھر کر نہیں دیکھا کہ جو لوگ ان سے پہلے ہو گزرے ہیں ان کا کیا انجام ہوا۔ وہ لوگ ان سے زیادہ تھے اور قوت اور نشانوں میں جو زمین پر چھوڑ گئے بڑھے ہوئے تھے، سو ان کی کمائی ان کے کچھ بھی کام نہ آئی"

(سورۃ ۴۰ آیت ۸۲)

"وہ لوگ کتنے ہی باغ اور چشمے اور کھیتیاں اور عمدہ مکانات اور آرام کے سامان جس میں وہ عیش کرتے تھے چھوڑ گئے۔ اس طرح وارث کیا ہم نے ان کا ایک دوسری قوم کو، نہ تو ان پر آسمان اور زمین کو رونا آیا، اور نہ ہی ان کو مہلت دی گئی۔"

(سورۃ ۴۴ آیات ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹)

"اور پھر پکڑا ان کو چنگھاڑ نے، تحقیق پھر کر دیا ہم نے ان کو ریزہ ریزہ۔ سو دور ہو جاوے ظالم قوم۔ پھر اٹھائے ہم نے ان کے بعد اور طبقے۔ اور نہ پہلے جاوے کوئی طبقہ اپنے وقت سے نہ پیچھے رہے۔"

(سورۃ ۲۳ آیات ۴۱، ۴۲، ۴۳)

پچھلے تیس سالوں میں پاکستان میں معاشی، معاشرتی اور سیاسی قوت و اقتدار کا استعمال نامنصفانہ اور ظالمانہ طریق سے ہوتا رہا ہے۔ آبادی کی غالب اکثریت اس خوفناک مادی اور روحانی بوجھ کے نیچے دبی اور پسی ہوتی ہے جو ایک حقیر سی اقلیت نے اس پر لاد رکھا ہے۔ جبر و استبداد ہر طرح کا ہے۔ یہ معاشی بھی ہے، معاشرتی بھی، ثقافتی بھی، سیاسی بھی، نظریاتی بھی۔ نوعیت کے اعتبار سے جبر و استبداد قومی بھی ہے بین الاقوامی بھی۔ طبقات نے طبقات کو دباتے رکھا ہے، علاقوں نے علاقوں کو اور سامراج نے ان سب کو۔

طبقاتی استبداد کی مثال لیجئے۔ ہماری آبادی کی غالب اکثریت انتہائی غریب ہے۔ اس کے مقابلے میں غیر حاضر جاگیرداروں، بڑے تاجروں اور جعلی سرمایہ داروں کی مختصر اقلیت انتہائی امیر ہے۔ امیر اس لئے امیر ہیں کہ وہ محنت کشوں کی خون پسینے سے پیدا ہونے والی دولت کا غیر معمولی حد تک زیادہ حصے پر قبضہ کر لینے کا انتظام کر لیتے ہیں۔ آسودہ لوگ شہروں کے ان خاص حصوں میں رہتے ہیں جہاں سڑکیں کشادہ اور روشن ہیں۔ ان کے علاقوں میں پانی، بجلی، گیس کی کمی نہیں۔ ان میں پارک ہیں۔ باغ ہیں۔ زمین دوز نالیاں ہیں۔ ان کے بچوں کے سکول، کانونٹ اور کالج علیحدہ ہیں۔ ان کے قبرستان تک علیحدہ اور خاص ہیں ان اشراف کے ایک فرد کا ایک عام غریب آدمی سے مقابلہ کر کے دیکھا جائے تو پتہ چلے گا کہ بلدیاتی، صوبائی

ظلم، ناانصافی
اور عدمِ مساوات کو
ختم کیا جائے

حکمران اپنے آپ کو پاکستان کے مترادف سمجھتے ہیں

اور رفاقی اخراجات کا بیشتر حصہ اسی پر صرف ہوتا ہے۔ غریبوں کی اکثریت جھنگڑ محلوں یا جھنگڑ محلوں جیسی بستیوں میں رہتی ہے۔ ان میں اکثریت مٹی کے گھروندوں اور جھگیوں میں مویشیوں کے ساتھ رہتی ہے۔ زندگی کی ابتدائی ضرورتوں مثلاً صحت بخش خوراک، پینے کے قابل پانی اور تعلیم اور صحت کی سہولتوں سے وہ یکسر محروم ہیں۔

طبقات میں امتیازات کو برقرار رکھنے کے لئے معاشرتی مراعات اور اقتدار کا وسیع جال موجود ہے۔ ریل گاڑیوں میں، بسوں میں، ہوائی جہازوں میں، تقریبوں کی نشستوں میں، عام انتظار گاہوں میں، دفاتر کے "غسل خانوں" اور بیت الخلاؤں میں، ضیافت گاہوں میں، جیل خانوں میں، الغرض کہیں جائیے، کہیں دیکھئے، درجہ بندی موجود ملے گی۔ ملازمتوں میں مختلف گریڈ ہیں، تنخواہوں کے مختلف سکیل ہیں۔ ملازمین کو جو مراعات اور سہولتیں حاصل ہیں ان میں بھی اسی طرح کی درجہ بندی ہے۔ اس کے علاوہ امرا کو انتظامیہ تک رسائی حاصل ہے اور وہ اپنے اثر سے ناواجب فوائد حاصل کر لیتے ہیں جب کہ غریبوں کی جائز شکایات کا ازالہ بھی بالعموم ممکن نہیں۔ امرا کے لئے عدالتوں کا دروازہ کھٹکھٹانے میں کوئی دشواری نہیں اور بے چارے غریب اس قابل نہیں کہ عدالتوں کے اخراجات پورے کر کے قانونی چارہ جوئی کر سکیں۔ امرا "چودھری صاحب" اور "میاں صاحب" کہلاتے ہیں اور غریب حقارت سے "دگامے" "مھابے" کہہ کے بلائے جاتے ہیں۔ پاکستانی زندگی کا ایسا کوئی گوشہ نہیں ملے گا جس میں معاشی عدم مساوات پر مبنی معاشرتی امتیازات نہ پائے جاتے ہوں اور ایک طبقے کے دوسرے طبقے سے ظلم و ناانصافی کا منہ بولتا ثبوت نہ ہوں۔

امیروں اور غریبوں کے مابین دولت اور معاشرتی حیثیت کے امتیازات کا ظہور ثقافتی میدان میں ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ آبادی کی بھاری اکثریت کے پاس اس کا کوئی موقع نہیں کہ وہ اپنی مادی اور روحانی زندگی کو علم، فنون، ثقافت اور سائنس کی نعمتوں سے مالامال کرے۔ ان کی روزمرہ کی زندگی میں مشقت اور بے کیفی یکسانیت ہے۔ امیروں کی زندگی میں تنوع اور فراوانی ہے۔

سیاسی اقتدار بلا استثنا امرا اور مراعات یافتوں کے لئے ہے۔ وہی اس کے مالک ہوتے ہیں اور وہی اس سے استفادہ کرتے ہیں۔ پچھلے تیس سال میں غریبوں کو کچھ دیا گیا تو یہ کہ چند موقعوں پر انہیں ووٹ دینے کی اجازت دی گئی۔ ووٹ انہیں بہر حال کسی امیر یا امیر کے نمائندے کو دینا پڑا۔ اگر بھولا بھٹکا کوئی غریب منتخب بھی ہو گیا تو وہ زود یا بدیر امیر آدمی میں بدل گیا۔ نظم و نسق اور حکومت کے نظام میں یہ راز پنہاں ہے کہ اگر منتخب نمائندے رائج غیر منصفانہ طرز سے ہٹنا چاہیں تو ان کے پاس ایسا کرنے کا کوئی اختیار نہ ہو۔ حقیقی سیاسی قوت ہمیشہ کوئی پانچ سو جاگیردار خاندانوں اور اتنے ہی اعلیٰ سرکاری افسروں، اونچے وکیلوں اور نو دولتیوں ہی کے تصرف میں رہی۔ قطع نظر اس سے کہ اقتدار پر بظاہر کون لوگ فائز رہے، فیصلہ کن سیاسی قوت کی مالک ہر حال میں یہی اقلیت رہی۔ محنت کش قبائلی غریب، دوکاندار، مالکان سٹور، چھوٹے اور درمیانے درجے کے زمیندار، عام وکیل، ڈاکٹر، پروفیسر، ادیب، فنکار اور دوسرے پیشہ ور افراد جو آبادی کا اکثریتی حصہ ہیں، کبھی حقیقی سیاسی اور معاشرتی قوت کے مالک نہیں بن سکے۔

حکمران طبقوں نے معاشی، معاشرتی، ثقافتی اور سیاسی جبر و استبداد کو نظریے کے نام پر روا رکھا۔ ان کا دعویٰ ہے کہ وہ پکے مسلمان اور سچے پاکستانی ہیں ان کی اسلام اور حب الوطنی کی تعبیر ایسی ہے کہ جور و تشدد ان کے لئے گوارا ہی نہیں بالکل روا ہے۔ اپنے نکتہ چینوں کے خلاف وہ نظریے کی لاٹھی اندھوں کی طرح چلاتے ہیں۔ ان کی مذہب کی تعبیر انہیں اجازت دیتی ہے کہ وہ بے حساب دولت اور جائداد اکٹھی کریں، محنت کش عوام کی خون پسینے کی کمائی کو نامنصفانہ طور پر تقسیم کریں، معاشرے میں دولت، معاشرتی حیثیت اور طاقت کی بنا پر غیر انسانی تقسیم پیدا کریں اور غریب لوگوں اور ہم مذہب مسلمانوں کے خلاف ہر قسم کے جرائم کا ارتکاب کریں۔ ان کی مذہب کی تعبیر انہیں اجازت دیتی ہے کہ وہ تمام تر سیاسی اور معاشرتی طاقت اپنے ہی قبضے میں رکھیں۔ ان کا کائنات اور معاشرے کا نظریہ جامد ہے جب تبدیلی کی قوتوں کا دباؤ ان پر زیادہ ہو جاتا ہے تو آگے بڑھنے کی بجائے پیچھے کو لوٹ جانے کی بات کرتے ہیں۔ خود تو وہ ناخواندہ اور جاہل ہوتے ہیں لیکن

میجر اسحاق محمد — محمد افضل بنگش

میانوالی

روشن ملک

جمہوریت کی جدوجہد ہماری جدوجہد ہے، دھیجر

انتخابات کے التوا کے بعد ملک میں موجودہ بحران شدید ہو گیا ہے۔ شہری آزادیاں مکمل طور پر ختم کر دی گئی ہیں۔ سیاسی پارٹیوں، مزدور، طلباء، وکلا اور دانشور تنظیموں کی سرگرمیاں معطل کر دی گئی ہیں۔ صوبائی خودمختاری ختم کر دی گئی ہے۔ مزدور رہنماؤں کو معمولی باتوں پر سزا دی جا رہی ہے۔ کوڑے لگائے جا رہے ہیں۔ ہزاروں سیاسی کارکن گرفتار کر لیے گئے ہیں۔ مہنگائی بڑھتی جا رہی ہے۔ بلیک مارکیٹنگ، اسمگلنگ اور رشوت کی آزادی ہے۔ بلوچستان میں فوجی کارروائی جاری ہے۔ جبکہ سندھ میں بھی ویسے ہی حالات پیدا کیے جا رہے ہیں۔ عوام سخت بے چین ہیں۔ یہ سب کچھ مومنین کی حکومت میں ہو رہا ہے۔

گٹھ ملائیت اور دقیانوسیت پھیلانے کے لئے ملا تک سے سودا کر لیتے ہیں۔ ان کے مفادات پر جب بھی زد پڑتی ہے وہ "اسلام خطرے میں" کا الارم بجا دیتے ہیں۔

پاکستان کے حکمران طبقات کا جذبہ قوم پرستی اخوت، آزادی اور مساوات کے تصورات سے عاری ہے۔ وہ قوم پرستی کا استعمال طبقاتی حد بندیوں کو ختم کرنے کے لئے نہیں انہیں اور مضبوط کرنے کے لئے کرتے ہیں۔ پاکستان کے حکمران طبقات اپنے آپ کو پاکستان کے مترادف سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک اپنے طبقے کا دفاع پاکستان کے دفاع کے ہم معنی ہے۔ ان کے مفادات کو خطرہ لاحق ہوتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ پاکستان کو خطرہ لاحق ہو گیا ہے۔ ان کے نزدیک پاکستان اسی وقت خوشحال ہوتا ہے جب وہ خود خوشحال ہوتے ہیں قطع نظر اس سے کہ آبادی کی اکثریت کا حلیہ کہاں تک بگڑتا ہے۔ ان کی قوم پرستی کا تصور اس کی اجازت دیتا ہے کہ وہ ملکی مفادات کو قربان کریں اور معاشی، معاشرتی اور سیاسی شعبوں میں اپنے طبقاتی مفادات کا تحفظ کریں۔

جہاں تک ایک علاقے کے دوسرے علاقے کو دبانے کا تعلق ہے، اس کے پہلو بھی معاشی، معاشرتی ثقافتی سیاسی اور نظریاتی ہیں۔ معاشی پہلو ان میں سب سے زیادہ نمایاں ہے۔ پاکستان دنیا کے غریب ترین ممالک میں سے ہے لیکن اس کے بعض حصے دوسرے حصوں کے مقابلے میں زیادہ غریب ہیں۔ صوبہ بلوچستان کا بیشتر حصہ، صوبہ سرحد کے مالاکنڈ ڈویژن کے زیادہ حصے، ایبٹ آباد ڈویژن کا شمالی نصف حصہ اور قبائلی ایجنسیوں اور ان سے ملحق علاقوں کے بڑے حصے، صوبہ سندھ کے انتہائی مغربی اور مشرقی حصے، صوبہ پنجاب کے ضلع ڈیرہ غازی خاں کے بعض حصے، گلگت ایجنسی کے بہت سے حصے اور آزاد کشمیر کے بعض حصے دنیا کے غریب ترین علاقے ہیں۔ ان سے کچھ بہتر غیر نہری علاقے ہیں جو صوبہ سرحد میں یا اندرون سندھ ہیں، صوبہ پنجاب کے ضلع ڈیرہ غازیخان کے بہت سے حصے، مظفر گڑھ، میانوالی، جھنگ، کیمبل پور، جہلم، راولپنڈی کے اضلاع اور بہاولپور ڈویژن کے ضلعوں کے کچھ حصے اور باقی ماندہ آزاد کشمیر ہے۔ کچھ اور بہتر وسطی پنجاب کے مقابلتاً خوش حال علاقے ہیں۔ جن کے ساتھ صوبہ سرحد کے پشاور اور مردان کے ضلعوں کے کچھ حصوں اور حیدر آباد، سکھر اور خان پور شہروں اور ان کے مضافات کو شامل کیا جا سکتا ہے۔ اس کے بعد پنجاب اور سندھ کے صنعتی شہر اور صوبہ سرحد کا پشاور شہر آتے ہیں۔ کراچی کا بڑا شہر جس کی آبادی کی اکثریت غریب ہے، بظاہر پاکستان کی دوسری تمام آبادیوں کے مقابلے میں سب سے کم غریب ہے۔

پاکستان کے جن علاقوں میں غربت کم و بیش برابر ہے ان کی حدود صوبائی حدود کے مطابق نہیں بلوچستان کا انتہائی غربت کا علاقہ متصل سندھ کی حدود کے اندر تک آ گیا ہے۔ اسی طرح صوبہ سرحد کا غربت کا علاقہ پنجاب کے اندر تک آ جاتا ہے لیکن مجموعی طور پر دیکھا جائے تو بعض دوسرے صوبوں کے مقابلے میں زیادہ غریب ہیں۔ یہ درست ہے کہ معاشی ناہمواریاں ۱۹۴۷ء میں اس وقت بھی موجود تھیں جب پاکستان معرض وجود میں آیا تھا تاہم یہ حقیقت ہے کہ اس کے بعد ان میں کمی آنے کے بجائے اور شدت پیدا ہو گئی۔ پچھلے تیس سالوں میں پاکستان کی ترقی انتہائی غیر متوازن ہوئی ہے۔ اس سے قدرتی طور پر یہ الزام دینے کی گنجائش پیدا ہوتی ہے کہ بعض علاقے زیادہ چہیتے ہیں اور انہیں دوسرے صوبوں کو نظر انداز کر کے نوازا گیا ہے۔

پاکستان کے مختلف علاقوں میں معاشی ناہمواریوں میں شدت اس حال میں آئی کہ بعض علاقے دوسرے علاقوں کے مقابلے میں زیادہ سیاسی اقتدار کے مالک تھے۔ ۱۹۷۳ء کے دستور کے نفاذ سے پہلے صوبہ بلوچستان کی وفاقی حکومت میں کوئی آواز نہیں تھی۔ پچھلے چار سالوں میں بھی اس کی نمائندگی ان سے کرائی گئی جو اسلام آباد کے منظور نظر تھے یعنی عوام میں ان کی جڑیں نہیں تھیں بلکہ وہ وفاقی حکمرانوں کے نمک خوار تھے۔ صوبہ سرحد، صوبہ بلوچستان کے مقابلے میں کچھ بہتر رہا لیکن ایک چھوٹے سے حصے کو چھوڑ کر یہ صوبہ بھی کچھ ایسا بہتر نہیں رہا۔ صوبہ سندھ کو وفاقی حکومت میں اپنی آواز کو مؤثر بنانے کا پہلا موقع ۱۹۷۲ء میں ملا۔ صاف ظاہر ہے کہ سیاسی طور پر زیادہ تر پنجاب اور کراچی کو ہی غالب اثر استعمال کرنے کا موقع ملا۔ انتظامیہ میں افسروں کی تقسیم تو قدرے بہتر تھی۔ لیکن بڑے صوبوں کی آواز سندھ اور بلوچستان کے مقابلے میں اس کے باوجود زیادہ رہی۔

یہ انتہائی بدقسمتی کی بات ہے کہ صوبائی امور میں وفاقی حکومت کی مرضی کو زیادہ دخل حاصل رہا اور صوبوں کی آبادی کی خواہشات کو کم سے کم درخورِ اعتنا سمجھا گیا

ان خیالات کا اظہار مزدور کسان پارٹی سندھ کے کنوینر محمد اکرم دھریجہ اور پنجاب کے سیکرٹری جنرل امتیاز عالم نے اپنی ایک پریس کانفرنس میں کیا۔ انہوں نے کہا کہ مزدور کسان پارٹی پیپلز پارٹی سے تعاون کرے گی۔ جو کوڑے پیپلز پارٹی کے کارکنوں کے لگ رہے ہیں وہ دراصل مزدور کسان پارٹی کے کارکنوں کو لگ رہے ہیں۔ انہوں نے مطالبہ کیا کہ انتخابات جلد کرائے جائیں۔ جمہوریت بحال کی جائے شہری آزادیاں دی جائیں۔ مزدوروں کی چھانٹیاں بند کی جائیں۔ کسانوں کی بیدخلیاں بند کی جائیں۔ طلبہ کو یونین سازی کا حق دیا جائے۔ سیاسی سرگرمیوں پر پابندی ختم کی جائے۔ مہنگائی ختم کی جائے۔ کوڑوں کی سزا بند کی جائے۔ مارشل لاء ختم کیا جائے۔ انہوں نے کہا کہ مزدور کسان پارٹی عوام کی جمہوری جدوجہد میں عوام کے شانہ بشانہ جدوجہد کرے گی۔ اور اس کے لیے ہر اس قوت کے ساتھ متحدہ محاذ بنائے گی جو اس جمہوری ابھار میں شریک ہو گی۔

محمد اکرم دھریجہ

اس سے قبل مزدور کسان پارٹی کے مرکزی صدر ریٹائرڈ میجر محمد اسحاق نے میانوالی کے دورے کے موقع پر کہا کہ جلد از جلد انتخابات کرائے جائیں۔ سیاسی سرگرمیوں سے پابندی ختم کی جائے۔ کسانوں اور مزدوروں کی چھانٹیاں بند کی جائیں۔ کوڑوں کی سزا فی الفور ختم کی جائے دریں اثنا مزدور کسان پارٹی صوبہ سرحد کے رہنما افضل بنگش اور پارٹی کے کارکنوں نے انتخابات جلد کرانے کا مطالبہ کیا۔ انہوں نے شہری اور سیاسی حقوق بحال کرنے کا بھی مطالبہ کیا۔

وفاقی حکومت نے من مانے طریقے سے صوبائی حکومتیں بنائیں اور توڑیں۔ تیس سالوں میں سے پندرہ سال تو "ون یونٹ" کے تھے۔ اس عرصے میں سندھ، سرحد اور بلوچستان میں کوئی صوبائی حکومت تھی ہی نہیں۔ بلوچستان تو تیس میں سے چھبیس سال بغیر صوبائی حکومت کے رہا۔ ان حالات میں یہ بالکل قابلِ فہم ہے کہ بعض علاقوں کو یہ احساس ہو گیا کہ وہ سیاسی طور پر دوسرے علاقوں کے ماتحت ہیں یعنی وہ مظلوم ہیں اور دوسرے ظالم ہیں۔

سرحد اور بلوچستان اور کراچی کو چھوڑ کر سندھ کے علاقے یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اپنی ثقافت اور اپنے فن کو فروغ دینے کی مناسب کوشش نہیں کر سکتے۔ اور نہ اور عام تعلیم میں بھی انہیں جو سہولتیں حاصل تھیں وہ پنجاب اور کراچی کو حاصل سہولتوں کے برابر نہیں تھیں۔ علاقائی زبانوں کے استعمال اور فروغ کا مسئلہ ہمیشہ انتہائی نزاکت کا حامل رہا ہے جبکہ اہلِ پاکستان، بالخصوص سندھی اور پختون اس سے مسلسل مضطرب رہے ہیں۔ پاکستان کے ان علاقوں کے لوگ جو معاشی طور پر کم ترقی یافتہ اور سیاسی طور کم مؤثر ہیں، یہ سمجھنے پر آ گئے کہ انہیں ثقافتی طور پر دوسرے علاقوں کے وہ لوگ دبا رہے ہیں جو معاشی طور پر ترقی یافتہ اور سیاسی طور پر غالب ہیں۔

صوبوں کے باہمی معاشی، معاشرتی اور ثقافتی تعلقات کے جس نظام نے اوپر بیان کی ہوئی ناہمواریوں اور عدم مساوات کو شدید بنایا، وہ اسلام اور پاکستان کے نام پر نافذ کیا گیا اور نافذ رکھا گیا۔ جس کسی نے بھی پس ماندگی کے خلاف احتجاج کیا اور اصلاحِ احوال کا مطالبہ کیا، اسے فوراً پاکستان دشمن اور اسلام دشمن گردانا گیا۔ جس کسی نے بھی دولت اور طاقت کی غیر مساوی اور غیر منصفانہ تقسیم پر اعتراض کیا اسے کافر قرار دیدیا گیا۔ یوں اربابِ اقتدار و طاقت نے صورتِ حال کو علیٰ حالہٖ رکھنے اور تبدیلی کا راستہ روکنے کے لئے اسلام اور نظریۂ پاکستان کا ناجائز استعمال کیا۔ لیکن جب دو عشروں کی محرومی اور ناانصافی کے شکار ایک علاقے کے لوگوں نے معاشی اور سیاسی مداوے کے لئے جدوجہد کی اور جب طاقت کے استعمال نے جدوجہد کو ایک ایسے مقام پر پہنچا دیا جہاں سے واپسی ممکن نہیں رہی تو وہ علاقہ علیحدہ ہو گیا۔ پھر آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں کہ یہ کیسے ہو گیا کہ ایک مسلمان علاقہ دوسرے مسلمان علاقے سے علیحدہ ہو گیا۔ آخر دونوں ایک ہی قوم کے حصے اور ایک ہی مذہب اسلام کے ماننے

بیتاب تمناؤں اور حقیقی جدوجہد کو دبایا نہیں جا سکتا!

والے تھے! اور اب ہم یہ نتیجہ نکالنے پر آ گئے ہیں کہ، منیر صاحب کے الفاظ میں اسلام ملک کو متحد رکھنے کے لئے مضبوط رشتے کا کام نہیں دے سکتا اور قوم پرستی کی روح ملا کے اسلام کے منافی ہے۔ اس کا ہمیں خیال تک نہیں آتا کہ مسلسل معاشی، معاشرتی، سیاسی اور ثقافتی ناانصافیاں ہر طرح کے اعلیٰ نصب العین اور اس کی روحانی بنیاد کے منافی ہوتی ہیں۔ یہ مذہب یا قوم پرستی کے اصولوں کا قصور نہیں۔ قصور مراعات یافتہ طبقوں کا ہے کیوں کہ وہ ظالم ہیں اور انہیں نے قومی زندگی کے تمام شعبوں میں ناقابل برداشت ناہمواریاں پیدا کر دی ہیں۔

طبقاتی اور علاقائی ظلم کی طرح سامراجی ظلم کے پہلو بھی معاشی، سیاسی ثقافتی، معاشرتی اور نظریاتی ہیں۔ سامراجی قومیں کم ترقی یافتہ قوموں سے معاشی فوائد زبردستی حاصل کرتی ہیں تجارت، کاروبار، سرمایہ کاری، ٹیکنالوجی، جہازرانی، قدرتی ذرائع کے حصول استعمال کے متفرق شعبوں میں سامراجی قوموں سے جملہ روابط سے ملکی وسائل پس ماندہ ممالک سے ترقی یافتہ کی طرف منتقل ہوتے ہیں۔ ۱۹۷۴ء میں پاکستان سے منتقل ہونے والے وسائل کا تخمینہ چار ارب ڈالر سالانہ کا لگایا گیا تھا۔ معاشی تعلقات کو برقرار رکھنا ترقی یافتہ ملکوں کی اشد مجبوری ہوتی ہے۔ چنانچہ ان کے لئے لازمی ہوتا ہے کہ پس ماندہ ممالک پر جس قدر سخت سیاسی گرفت رکھ سکتے ہیں رکھیں۔ سامراجی ممالک کے شکار ملک کے حکمرانوں کے ساتھ جو حلیفانہ معاہدے ہوتے ہیں وہ مطلوبہ سیاسی گرفت برقرار رکھنے کے لئے ہوتے ہیں۔ سامراجیوں نے لارڈ میکالے کے وقت ہی میں یہ سبق سیکھ لیا تھا کہ حکمران طبقات پر گرفت کو دیرپا بنانے اور اس تعلق کو ممکن حد تک بلا تکلیف بنانے اور روا رکھنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اسلامی ممالک کو سامراجی علم، ثقافت اور نظریے کی سطحی خوراک دی جاتی رہے۔ آج ان کے تسلط کی حدود ہمہ گیر اور دور رس ہو چکی ہیں۔ وہ کولا سے انٹرکانٹی نینٹل، نجی ملکیت سے بالائے قومی کارپوریشنوں

آنسو گیس سے سرمایہ دارانہ جمہوریت تک سے تسلط کی گہرائی گیرائی کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔

نظریے، سیاست، معیشت اور ثقافت کے مسائل مقامی، علاقائی، قومی اور بین الاقوامی سطحوں پر ایک دوسرے سے گہرے طور پر وابستہ ہیں اور پس ماندہ ممالک کی ناانصافی اور عدم مساوات کے خلاف جدوجہد کی صورت میں کھل کر سامنے آتے ہیں۔ مزدور سرمایہ دار کے خلاف اٹھے، کسان جاگیردار کے سامنے، طلبہ وائس چانسلر کے خلاف ہنگامے کریں یا شاعر ثقافتی غلبے کے خلاف، سیاسی کارکن آمریت کے خلاف مظاہرے کریں یا اہلِ نظر نظریات کے خلاف، درحقیقت یہ جدوجہد ایک اور ناقابلِ تقسیم ہے۔ ہر حال میں زبردست اور محروم رائج الوقت معاشرتی نظام کے خلاف برسرِپیکار ہے۔ اس کا نشانہ واضح طور پر حکمران طبقات، ان کے سرپرست اور کارندے ہوتے ہیں جو ناانصافی اور عدم مساوات کی علامت اور رائج نظام کے نگہبان اور محافظ ہیں۔ یہ پیکار ہمہ گیر ہے۔ اس کا دائرہ فرد سے طبقات تک، مقامی علاقے سے دوسرے ملکوں تک، نئی اپروچ سے راسخ روایات تک اور خیالات سے نظریات تک پھیلا ہوا ہے۔

جب ماہر مورخ زوال پذیر معاشرے میں بدنظمی اور انتشار کو دیکھتا ہے تو اسے اس عملی تخریب میں ایک نظم صاف طور پر نظر آ جاتا ہے۔ وہ ہمیں بتا سکتا ہے کہ جب تبدیلی کی ہوا چلنے لگتی ہے تو بادبان کشتی کو اس کی مخالف سمت کو نہیں لے جا سکتے۔ کشتیٔ مملکت کو کھینے کے لئے ضروری ہے کہ غیر منصفانہ اور غیر مساوی نظامِ معاشرہ کا مقابلہ کیا جائے۔ انسان اور انسان۔ طبقے اور طبقے اور علاقے اور علاقے کے مابین ناہمواریوں کو ختم کرنا ہی پڑے گا۔ اس کے بغیر قوم اتنی طاقتور نہیں ہو سکتی کہ سامراجی معاشی غارتگری، معاشرتی اور ثقافتی غلبے اور سیاسی بالادستی کا مقابلہ کرے۔ کوئی اجتہاد کوئی اجماع جس کا مقصد معاشی استحصال، معاشرتی ذلت، ثقافتی پس ماندگی، سیاسی غلامی اور نظریاتی بے مقصدیت کو تحفظ دینا ہو ایک نامنصفانہ اور غیر مساوی معاشرتی نظام کو نہیں بچا سکتے۔ پاکستان کی مملکت خداداد (مملکتیں تو ساری ہی خداداد ہیں!) معاشرے اور تاریخ کے قانونِ نشوونما سے مستثنیٰ نہیں ہو سکتی۔

کروڑوں غریب اور پسماندہ لوگوں کی بے تاب تمناؤں اور ان کی برحق اور تاریخی جدوجہد کو ہمیشہ کے لئے دبایا نہیں جا سکتا۔ ان کو دبانے اور دبائے رکھنے والی ظالم، نااہل اور اندھی اقلیت زیادہ دیر تک غالب اور بالادست نہیں رہ سکتی۔ جب ان ظالموں کا ستارۂ اقبال ہمیشہ ہمیشہ کیلئے

دنیا کے غریب ترین علاقے پاکستان میں ہیں

ڈوبنے لگے گا اور ریاستی ڈھانچے پر ان کے تسلط کے آخری دن آجائیں گے تو یہ پاکستان کا خاتمہ نہیں ہوگا۔ یہ نیم قبائلی، نیم جاگیردارانہ، نیم نوآبادیاتی پاکستانی معاشرے کی موت ہو گی اور اس کا مطلب یہ ہوگا کہ صحیح معنوں میں آزاد اور خود مختار پاکستان پیدا ہو رہا ہے۔ یہ البتہ ہو سکتا ہے کہ حاکم اور محکوم کی لڑائی ایسی شکل اختیار کر جائے کہ دونوں ہار جائیں اور جیت بیرونی دشمنوں کی ہو۔ اس صورت میں پاکستان کے مستقبل کے بارے میں شکوک حقیقت بن کر سامنے آسکتے ہیں

یہ ہوگا یا نہیں، اس کا دارومدار عوام الناس پر ہے اور انہیں دیکھ کر یہ فرض کرنا آسان نہیں رہتا کہ وہ پاکستان کے بیرونی دشمنوں کو کامیاب ہونے دیں گے۔ حالیہ دس مہینوں کے واقعات اس کا ثبوت ہیں کہ ان کی معاشرتی پختگی اور سیاسی دانشمندی میں اضافہ ہوا ہے۔ پاکستان کے تمام علاقوں کے مزدوروں، کسانوں، دانش وروں اور دوسرے محب وطن عناصر نے اب تک ہوش مندی کا مظاہرہ کیا ہے اور اپنی جدوجہد کو ایک بے قابو لڑائی میں تبدیل نہیں ہونے دیا حالانکہ حکمرانوں کے دونوں فریقوں نے یعنی انہوں نے بھی جو برسر اقتدار تھے اور انہوں نے بھی جو برسر اقتدار ہونا چاہتے تھے، کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی جس سے بحران شدید ہو اور لاینحل ہو جائے۔

پاکستان تبدیلی کے عمل کی گرفت میں ہے

پاکستان تبدیلی کے عمل کی گرفت میں ہے۔ پرانا نظام مر رہا ہے اور نیا نظام ابھر رہا ہے۔ بین الاقوامی حالات ہمارے سامنے ہیں۔ ہمارا ماضی اور ہمارا حال بھی ہمارے سامنے ہے۔ ان کے اثرات سے ہم غیر متاثر نہیں رہ سکتے ان کو نگاہ میں رکھے بغیر چارہ نہیں اور انہیں دیکھ کر یہ کہنا مشکل نہیں کہ ہمارا وجود واقعی خطرے میں ہے اور یہ بالکل قدرتی ہے کہ ہمارے مستقبل کے بارے میں شکوک کا اظہار کیا جائے۔ لیکن اس عمل میں ہمارا کردار کیا ہوگا، اس کا اندازہ اس سے ہوگا کہ ہمارے شکوک کی نوعیت کیا ہے۔ ایک طرف یہ رونا رویا جائے گا کہ ایک غیر مساوی اور غیر منصفانہ نظام اپنے محافظوں سمیت ختم ہو رہا ہے۔ دوسری طرف یہ افسوس کیا جائے گا کہ ایسی منظم قوت یا اس کا ڈھانچہ موجود نہیں جو محروم و مظلوم عوام کی نمائندہ ہو اور قومی تعمیر نو کا کام اپنے ذمے لے سکے۔ بہرحال تاریخ کا عمل انسانی خواہشات اور ارادوں سے بالا اور ان سے بے نیاز ہے۔ اس عمل کو نہ ماننے والے اور اس کے ناگزیر نتائج سے انکار کرنے والے ہزار ضد کریں وہ من مانی نہیں کر سکتے۔ انہیں بالآخر تاریخ کے اٹل فیصلے کے سامنے سر تسلیم خم کرنے پر مجبور ہونا پڑے گا۔ آیئے اس اٹل عمل اور فیصلے کو ابھی سے تسلیم کر لیں تاکہ وقت ہاتھ سے نکل نہ جائے اور ہم مملکت خداداد پاکستان کو بچا سکیں۔ اس کا بنیادی تقاضہ یہ ہے کہ ظلم، ناانصافی اور عدم مساوات کو ختم کر دیا جائے۔ استحصال کا جو نظام مٹھی بھر دقیانوسی غیر حاضر جاگیرداروں، خودغرض نودولتیوں اور سامراج نواز افسر شاہی نے قائم کر رکھا ہے، اس کا خاتمہ ناگزیر ہے۔ اس باطل کی بنیاد کو بدلنے کے ساتھ مثبت تعمیری عمل بھی شروع کرنا چاہیئے اور معاشی، معاشرتی اور سیاسی قوت کو صحیح معنوں میں مستقل اور وسیع بنیاد دی جائے تاکہ پاکستان کے تمام مذاہب کے مظلوم عوام بالآخر آزاد ہو کر ترقی اور خوشحالی کے راستے پر گامزن ہو سکیں اور پاکستان کو ناقابل شکست حد تک مضبوط اور طاقت ور بنا کے دم لیں۔ پاکستان پائندہ باد!

"آیئے عوامی حکومت کو مزید مضبوط بنائیں"

○○

چھٹی سپریم عوامی اسمبلی کے پہلے اجلاس میں جو پیونگ یانگ میں ۱۵ دسمبر ۱۹۷۷ء کو شروع ہوا عظیم رہنما صدر کم ال سنگ نے ایک تاریخی تقریر کی کہ "آیئے عوامی حکومت کو مزید مستحکم بنائیں"۔

تقریر کا اقتباس حسب ذیل ہے

عوامی جمہوریہ کوریا کی چھٹی سپریم عوامی اسمبلی کے لیے انتخابات ایسے پر جوش حالات میں کامیابی کے ساتھ منعقد ہوئے ہیں جبکہ سوشلسٹ تعمیر کے ہر محاذ پر تین انقلاب پوری رفتار کے ساتھ ترقی کر رہے ہیں اور تمام عوام ملک کے دوبارہ اتحاد اور انقلاب کی قومی فتح کے لیے پُرزور جدوجہد کر رہے ہیں۔

محنت کش عوام، جن میں مزدور اور تمام شہری شامل ہیں عوامی اقتدار کے مالکوں کی حیثیت سے اعلیٰ درجے کے سیاسی شعور اور انقلابی گرم جوشی کے ساتھ ووٹ دیئے گئے اور مجوزہ امیدواروں کو ووٹ دیئے۔ اس طرح انہوں نے بے مثال طریقے پر جمہوریہ کی حکومت کے لیے اپنی حمایت کا اظہار کیا اور ایک بار پھر تمام دنیا پر جوچے نظریئے پر قائم ہمارے سماج کے ناقابل شکست اتحاد اور ہم آہنگی کا مظاہرہ کیا۔

ہمارے عوام اب اس پوزیشن میں ہیں کہ سوشلزم اور کمیونزم کی تعمیر کے لیے بڑھتی ہوئی تحریک کو فاتحوں کے اعلیٰ فخر اور روشن مستقبل پر غیر متزلزل یقین کے ساتھ مزید تیز کریں۔

آج ہمارے عوام کو دوسرے سات سالہ منصوبے کے نئے بلند اہداف کے حصول، جلد از جلد سوشلزم کی مکمل فتح اور ملک کے آزادانہ، پرامن دوبارہ اتحاد کے فرائض درپیش ہیں۔

پاکستان سے آمریت، ظلم واستبداد اور استحصال کے خاتمے اور ایک آزاد، خوشحال، جمہوری اور ترقی پسند سماج کے قیام کے لئے جدوجہد میں پاکستان کے مزدوروں، کسانوں اور دوسرے محبّ وطن اور انقلابی شہریوں کے ساتھ ساتھ ترقی پسند طلباء نے جو سرگرم اور مثبت کردار ادا کیا ہے وہ پاکستان کی تاریخ کا ایک اہم حصّہ ہے اس حقیقت سے انکار آج کسی بھی صورت میں ممکن نہیں ۔ پاکستان کے طلباء نے ہمیشہ اپنے حقوق کے لئے اور سامراج نواز طاقتوں کے خلاف علم بغاوت بلند کیا ہے انہوں نے ہمیشہ اپنے عظیم تر اتحاد کے ذریعے ہر دور کے حاکموں کو لرزایا ہے اسی طرح ۸ جنوری ۱۹۵۳ء کی تحریک اس وقت کے مغربی پاکستان میں طلبۂ اتحاد کی سب سے پہلی انقلابی تحریک تھی جس میں پہلی مرتبہ طالب علموں نے محنت کشوں اور دیگر محبّ وطن عناصر کے ساتھ اتحاد کر کے آمرانہ قوتوں کو للکارا اور اپنے مطالبات کے حصول کے لئے سڑکوں پر (جو کہ اصل درسگاہیں ہیں) نکل آئے۔ اس دن کراچی کی سڑکیں شہیدوں اور زخمیوں کے انقلابی لہو سے لالہ زار تھیں ظلم اپنا پورا زور دکھا رہا تھا طاقت کا کھلا اور اندھا استعمال ہو رہا تھا لیکن عزم وثبات کے ان پیکروں کے قدموں کو ذرا سی بھی لغزش نہ ہوئی وہ عزم وہمت کے پیکر آگے بڑھتے رہے گولیاں چلتی رہیں خون بہتا رہا لیکن جواں حوصلہ اور باہمت نوجوانوں کا ایک ہی نعرہ تھا فتح کی سمت متحد — بڑھے چلو، بڑھے چلو — اور وہ بڑھتے گئے جہاں تک کہ حکمرانوں کو جھکنا پڑا ۔ طلبہ اور عوام کی مشترکہ طاقت سے وہ بوکھلا گئے ۔ اس طرح مستقبل کی تحریکوں کے لئے سبق آموز تجربات چھوڑ گئے ۔ مستقبل کی طلبا تحریکوں نے انہی تجربات کے سہارے آمریت کا ہر دور میں مقابلہ کیا۔ اور ان کی دھجیاں تک بکھیر ڈالیں ۔

یہ ۱۹۵۳ء کی بات ہے پاکستان کو آزاد ہوئے تقریباً چھ برس ہو چکے تھے ملک کا نام بدل گیا تھا نقشہ بدل گیا تھا، جھنڈا بدل گیا تھا، ترانہ بدل گیا تھا لیکن حکمران وہی تھے گوروں کی جگہ کالے انگریزوں نے لے لی تھی تاجِ برطانیہ کے ان نمائندوں کو برطانوی سامراج کا مفاد عزیز تھا۔ طلبہ مطالبہ کرتے تھے کہ لارڈ میکالے کا فرسودہ نظام تبدیل کیا جائے لیکن حکمرانوں کی جانب سے ان جذبات کو اشک آور گیس کے دھوئیں میں اڑا دیا جاتا تھا ۔ ۸ جنوری کی تحریک کسی اتفاقی حادثہ کا نتیجہ نہ تھی بلکہ یہ تحریک ایک خاص پس منظر کی حامل ہے ۔ قیامِ پاکستان کے بعد جب کراچی دارالحکومت بنا تو یہاں کی آبادی میں بھی بہت زیادہ اضافہ ہو گیا جس کی وجہ سے یہاں بے شمار معاشی اور معاشرتی مسائل پیدا ہو گئے ان میں سے ایک اہم مسئلہ "تعلیم" تھا بے انتہا بیروزگاری تھی۔ تعلیمی ادارے بہت کم اور ان میں بھی اقربا، پروری اور رشوت ستانی کے باعث غریبوں کے لئے دروازے بند تھے فیسوں میں زیادتی، کتابوں کی نایابی، آمدورفت کے ناقابلِ برداشت اخراجات، لائبریریوں کی زبوں حالی، تجربہ گاہوں، ہوسٹلوں اور کھیل کے میدانوں کی غیر موجودگی، اساتذہ کی کمی، اور ان کی کم تنخواہیں، ڈی ایم سی کی ڈگری کی عدم موجودگی، فیل ہونے والے طلبہ کی اکثریت اور پھر سپلیمنٹری امتحانات کا منعقد نہ ہونا یہ ہی نہیں بلکہ تعلیم صرف چند لوگوں کی جاگیر بن کر رہ گئی ۔ ؎

علم ٹیگور کے بیٹوں کیلئے، علم اقبال کے فرزندوں کلئے تھی
چھین لو علم کو سرمائے کے دلالوں سے آج سے اپنا یہی ایک سبق ہے ساتھی

ان حالات اور نامساعد حالات کی وجہ سے طالب علموں میں اضطراب کا اثر انداز ہونا لازمی امر تھا کیوں کہ وہ کسی بھی معاشرہ کا باشعور عنصر ہوتے ہیں ان میں نوجوان خون ہوتا ہے جو ظلم اور آمرانہ طاقتوں کے خلاف برسرِپیکار ہونے کا جذبہ بھی رکھتا ہے چنانچہ اس کے لئے انہوں نے خود کو منظم کرنا شروع کیا اور ۱۹۵۰ء میں ڈاؤ میڈیکل کالج میں قائم ہونے والی طلبہ تنظیم ڈیموکریٹک اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے انقلابی بینر تلے جمع ہونا شروع کر دیا ۔ اور یوں دراصل

حقیقت میں جنوری تحریک کی بنیاد ۱۱ راکتوبر ۱۹۵۲ء میں تھیوسوفیکل ہال میں رکھی گئی جب ڈی ایس ایف (D.S.F) نے اپنے کونسل کے پہلے اجلاس میں یہ اعلان کیا کہ "یہ فیڈریشن طلبہ کے اعلیٰ حلقوں میں مطالبات کے سلسلے میں اتحاد پیدا کرنے میں ناکام ہو کر اب عام طلبہ کی طرف رجوع کر رہی ہے تاکہ طلبہ کے مطالبات کو منوایا جاسکے" یہ طلبا مطالبات کو منوانے کے لئے پہلا قدم تھا اس اجلاس میں مطالبہ کیا گیا کہ وہ تمام مسائل جن سے طلبہ دوچار ہیں حل کئے جائیں ۔

اس کونسل کے اجلاس کے فوراً بعد ہی D.S.F کے کارکنوں نے تمام تعلیمی اداروں میں پھیل کر کام کرنا شروع کیا اور طلبہ کے نظریاتی شعور کو بیدار کرنے کے ساتھ ساتھ انہیں مسائل سے بھی آگاہ کرنا شروع کر دیا ۔ مفاد اجتماعی تھا لہٰذا طلبہ کا ایک بہت بڑا حلقہ D.S.F کے گرد جمع ہوگیا اور کالجوں کی یونینوں نے عملی تعاون کا یقین دلایا اس طرح ڈی ایس ایف اور انٹر کالیجیٹ باڈی میں اشتراکِ عمل ہوا اور ان انجمنوں نے ۲۵ رنومبر ۱۹۵۲ء کو طلبہ کی مشترکہ اپیل پر یوم مطالبات منانے کے لئے عام ہڑتال کا اعلان کیا اس اعلان کا مقصد ایک طرف تو طلبہ کے طبقاتی شعور کی بیداری کا اعلان تھا تو دوسری طرف حکومت کو طلبا اتحاد کے لئے اپنے مطالبات کے لئے جھنجوڑنا بھی تھا ۔ طلبہ جدوجہد کرتے رہے اور پھر ۴ ردسمبر ۱۹۵۲ء کو کراچی کے طالب علموں نے اپنے تعلیمی اداروں میں احتجاجی جلسے کئے اور اپنے مسائل کے علاوہ اجتماعی مسائل پر بھی قرار دادیں منظور کی گئیں، اور حکومت سے انہیں حل کرنے کو کہا گیا مگر حکومتِ وقت نے روایتی انداز میں اسے "چند شر پسندوں کی طفلی" قرار دیکر کوئی توجہ نہ دی اس طرح طلبہ تحریک آگے بڑھتی رہی جذبات میں اضافہ ہوتا رہا جدوجہد کا عزم بڑھتا گیا ۔ اور نتیجتاً ۷ رجنوری ۱۹۵۳ء کو وہ لاوا پھٹ پڑا جو برسوں سے کراچی کے طلبہ کے سینوں میں پک رہا تھا اور ان سرفروشوں نے عظیم الشان "یوم مطالبات" سے اپنے اتحاد و بیداری کا فقید المثال مظاہرہ کیا ۔ ۷ رجنوری کو D.S.F اور I.C.B نے یوم مطالبات منانے کا مشترکہ اعلان کیا اس میں طلبہ اور طالبات سے اپیل کی گئی تھی کہ وہ ۹ بجے صبح اپنے اپنے تعلیمی اداروں میں جمع ہو کر جلسے کریں اور اس کے بعد جلوس کی صورت میں اسمبلی کی طرف جائیں گے جہاں وہ اپنے مطالبات وزیرِ تعلیم اور ممبرانِ اسمبلی کے سامنے رکھیں گے

اس پروگرام کے مطابق ہر کالج میں ہڑتال کی گئی اور جلسۂ عام کے بعد لوگ تمام کالجوں سے ڈی ۔ جے کالج میں جمع ہو چکے تھے وہاں ایک بہت بڑے جلسے کے بعد طلبہ کا پرامن جلوسِ وزیرِ تعلیم کی قیام گاہ کی طرف چل پڑا ۔ لیکن نوکر شاہی اور حاکموں کے دلالوں نے اس جلوس کو نکالنے کی ممانعت کر دی کہ مبادا کہیں اس سے وزیرِ موصوف کے آرام میں خلل واقع نہ ہو پولیس نے جلوس روکنے کی کوشش کی فریئر روڈ پر لاٹھی چارج ہوا ۔ لیکن طلبہ زخمی ہو کر گرتے اور پھر اٹھ کر منزل کی جانب گامزن ہوجاتے ، الفنسٹن اسٹریٹ پر سامراجیوں کے عطا کردہ اشک آور گیس کے شیل مستقبل کے معماروں کے جسم پر پھینکے گئے لیکن عزم کے یہ پتلے گلیوں میں بہتے ہوئے آگے ہی بڑھتے رہے ان پر پھر لاٹھی چارج ہوا ، گھیر کر وحشیانہ طور پر مارا گیا مگر جلوس کے شرکا آخر کار اپنی منزل پر پہنچ گئے انہوں نے وزیرِ تعلیم کی قیام گاہ پر زبردست مظاہرہ کیا اور سہ پہر کو طلبہ نے وزیرِ تعلیم کو مطالبات پیش کئے لیکن وزیرِ تعلیم سے دو گھنٹے کی ملاقات کے بعد بھی کوئی خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہ ہوا ۔ بلکہ وزیرِ تعلیم نے بڑی بے توجہی کے ساتھ مطالبات کو سنا ۔

پھر ۸ رجنوری آئی اور طلبہ احتجاج کے لئے کراچی بھر کے طلبہ نوکر شاہی پولیس کے ظلم و تشدد کے خلاف احتجاج کرنے کے لئے ڈی ۔ جے کالج میں جمع ہوئے ان کا عزم جواں تھا ظلم و تشدد ان کے جذبوں اور جدوجہد کو دبا نہیں سکتا تھا آج ان میں ایک نیا ولولہ تھا ایک نیا جوش تھا وہ آج باطل کی تمام قوتوں اور سامراج اور ان کے ایجنٹوں کو اپنے اتحاد کی بدولت مکمل شکست دینے کے عزم کے ساتھ جمع ہوئے تھے طالبات بھی اپنے بھائیوں کے ساتھ تھیں آج عوام بھی اپنے بچوں کے ساتھ تھے آج پورا شہر سراپا احتجاج تھا اور جلوس بن کر طاغوتی قوتوں کو نیچا دکھانے کے لئے سڑکوں پر نکل آیا یہ تعلیمی سہولتوں کا مطالبہ کر رہے تھے مگر سرمایہ داروں اور جاگیر داروں کی مسلم لیگی حکومت کے نمک خواروں نے ایک مرتبہ پھر الفنسٹن اسٹریٹ پر اس خاموش نہتے جلوس پر لاٹھی چارج کیا ان پر گیس پھینکی گئی ان کے جسموں کو جھلسایا گیا اور پھر سب نے دیکھا کہ دنیا کی سب سے بڑی اسلامی ریاست کے دار الحکومت میں معصوم طلبہ اور محنت کش عوام پر گولیوں کی بارش شروع کر دی گئی اور جب گیس کی دھند چھٹی تو کراچی کی سڑکیں خون آلودہ تھیں پولیس کے ظلم کے آگے شیطانیت لرزہ بر اندام تھی آج نوکر شاہی کے ستم کے آگے ہلاکو اور چنگیز کے مظالم

ہیچ نظر آرہے تھے آج ایک آزاد مملکت کی آزاد حکومت نے بربریت اور وحشت کے تمام ہتھکنڈوں کو معصوموں پر آزما کر ان کی روحوں کو جسموں کی قید سے آزاد کر دیا تھا یہ کیسی آزادی تھی کہ خون میں تر بتر لاشیں زمین پر بے گور و کفن پڑی تھیں اور یہ گیارہ لاشیں جدوجہد کا نشان بن کر فضا کو لالہ زار کر رہی تھیں (۱) ہائی اسکول کا بارہ سالہ طالب علم غلام ربانی ، (۲) اسکول کا طالب علم حفیظ اللہ (۳) فرسٹ ایئر سائنس کا اکیس سالہ شادی شدہ نوجوان سید علی بوہرہ (۴) بارہ سالہ رفیق داد (۵) پارسی ہائی اسکول کا پندرہ سالہ طالب علم سنگھ لال ، (۶) ایک بنگالی طالب علم (۷) ایک نوعمر جس کو پہچانا نہ جاسکا جس کے سینے اور پیٹ پر چار گولیاں لگیں (۸) ولیکا ملز کا مزدور وہیرہ (۹) سائیکل رکشہ والا محنت کش عبد الستار (۱۰) الفنسٹن ڈرائی کلینک کا ۲۳ سالہ ملازم نعمت اللہ (۱۱) ایک محنت کش پٹھان ۔ یہ تو وہ لوگ ہیں جن کا پتہ لگ سکا بہت سوں کا پتہ تک نہیں دیا گیا سینکڑوں زخمی ہوئے ۔

آج سے ۲۵ سال قبل ۸ رجنوری ۱۹۵۳ء کو این ایس ایف کی پیشرو تنظیم ڈی ایس ایف نے اس وقت جو مطالبے کئے کہ تعلیم کو سستا اور عام کیا جائے ، تعلیمی سہولتوں میں اضافہ کیا جائے ، تعلیم کے بعد روزگار کی ضمانت دی جائے اور درسی کتب سستی کی جائے لیکن ۱۱ رشہداء کی قربانیوں کے بعد حکمرانوں کو مطالبات تسلیم کرنے پر مجبور ہونا پڑا لیکن آج پاکستان کی صورتِ حال مختلف نہیں آج بھی ملک میں فرسودہ نظامِ تعلیم موجود ہے درسی کتب اور دیگر تعلیمی ضروریات کی اشیا کی قیمتوں میں اتنا اضافہ ہو چکا ہے کہ عام آدمی اپنے بچوں کو تعلیم دلا ہی نہیں سکتا تعلیم کو صرف مخصوص طبقہ کے لئے محدود کیا جا رہا ہے تعلیمی اداروں میں اساتذہ ، فرنیچر اور سائنسی آلات کی کمی کی وجہ سے حالات ، دن بدن بد سے بد تر ہوتے جا رہے ہیں ۔

۸ رجنوری کا دن ہمارے لئے تجدید عہد کا دن ہے ہمیں اس بات کا فیصلہ کرنا ہے کہ پاکستان میں موجودہ حالات برقرار رہیں ، یا ان میں انقلابی تبدیلیاں لائی جائیں تاکہ ملک میں تعلیم عام ہو ، فرسودہ نظامِ تعلیم ختم ہو تعلیمی اداروں کی آزادی و خود مختاری بحال ہو ، سرگرمیوں کی مکمل آزادی ہو ، طبقاتی امتیازات ختم ہوں ، تعلیم کے بعد روزگار کی ضمانت ہو تعلیم با مقصد اور قومی مفادات سے ہم آہنگ ہو اور پاکستانی معاشرہ محنت کی عظمت کی بنیاد پر استوار ہو ہم تمام طالب علموں اور عوام پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ ۱۹۵۳ء کے شہداء کی اس مشعل کو روشن رکھیں جو انہوں نے اپنے لہو سے روشن کی تھی ۔

این ایس ایف نے

ایوب آمریت کو پاش پاش کر دیا

جماعت اسلامی نے طلبہ تحریک کے خلاف ایوب سے دوستی کا ہاتھ بڑھایا تھا!

۱۹۶۸ء کی تحریک میں طلباء نے پہلی مرتبہ سیاسی ہراول دستے کا کام کیا اور ملک گیر پیمانے پر انتہائی دانشمندانہ اور انقلابی انداز میں دوسرے طبقوں کے شانہ بشانہ پیش قدمی کی۔ ان کی یہ جدوجہد اپنی نوعیت، قیادت اور اثرات کے اعتبار سے اتنی وسعت اور قوت کی حامل تھی کہ اس کی بازگشت ۱۹۷۰ء کے انتخابات اور بعد کی اکثر جدوجہدوں میں سنائی دیتی ہے۔

طلباء تحریک کے اس مختصر جائزے میں بھی ضروری ہے کہ ان معاشی، سیاسی اور سماجی حالات کا ذکر کیا جائے جنہوں نے اس تحریک کو جنم دیا اور جن کی بنیاد پر طلباء کے پروگرام اور نعرے تیزی سے پورے ملک کے عوام میں مقبولیت حاصل کر کے ایک زبردست عوامی قوت میں تبدیل ہو گئے۔

اکتوبر ۱۹۵۸ء میں مارشل لاء کے نفاذ کے بعد ملک پر ایک ایسی فوجی نوکر شاہی آمریت مسلط ہو گئی جس نے پاکستان میں سیاسی اداروں کی کمزوری سے بھرپور فائدہ اٹھایا اور پچھلے سیاست دانوں کی تمام مذمت کے باوجود ان کی تمام سامراج نواز پالیسیاں نہ صرف جاری رکھی گئیں بلکہ سامراجی مفادات کو آگے بڑھانے کے لئے ملک میں مزید سازگار حالات پیدا کئے گئے۔

جنوری ۱۹۵۹ء میں نام نہاد زرعی اصلاحات کے تحت ۵۰۰ ایکڑ نہری اور ۱۰۰۰ ایکڑ بارانی زمین فی کس کی حد بندی کرتے ہوئے جاگیردارانہ ملکیت کو مزید مستحکم اور مجتمع کیا اور جاگیردارانہ ڈھانچے کو نئی قانونی اور سیاسی چھتریاں فراہم کیں۔

اس کے علاوہ ایوبی دور میں سرمائے کا ایسا ارتکاز ہوا کہ ساتویں دہائی کے وسط میں ۲۲ خاندان ملک کی آدھی سے زیادہ دولت پر قابض ہو گئے۔ یہ گماشتہ اجارہ دار سرمایہ دار ۲۲ خاندان ملک کے صنعتی سرمائے کا ۶۶ فیصد، بنکوں کا ۸۰ فیصد اور انشورنس کا ۹۷ فیصد کنٹرول کرتے تھے۔ گو کہ ارتکاز سرمایہ داری کے ارتقاء کے قوانین میں سے ایک ہے۔ پاکستان میں نجی سرمائے کے اس ارتکاز میں بین الاقوامی مالیاتی سرمائے اور حکومت کی پالیسیوں کا عمل دخل زیادہ رہا ہے۔ عالمی بینک (IBRD) اور آئی ایف سی (IFC) وغیرہ مالیاتی ایجنسیوں نے PICIC کو نجی سیکٹر کے لئے قرضے فراہم کئے اور PIDC نے صنعتوں کو ریاستی سیکٹر میں خسارے پر چلا کر منافع دینے کے قابل بناتے ہی نجی سیکٹر کے حوالے کر دیا۔ اس طرح نجی سیکٹر نے ریاستی سیکٹر کی قیمت پر ترقی کی۔

۲۲ خاندانوں کی اس "ترقی" میں سامراجی ممالک نے قرضوں، کارپوریشنوں اور معاشی ماہرین کے ذریعے پاکستانی معیشت کی نہ صرف لوٹ کھسوٹ کی بلکہ اسے اپنا دست نگر بھی بنا دیا۔ اس ارتکاز اور استحصال کے نتیجے میں عوام کی بدحالی اور مفلسی میں اضافہ ہوا جو ایوبی آمریت کے خاتمے کا باعث بنا۔

سرمائے کے ارتکاز اور سرمایہ داری کی ناہموار ترقی نے ملک کے اندر مختلف علاقوں پر معاشی غلبے کو فروغ دیا۔ جس کے ساتھ سیاسی اور ثقافتی غلبہ بھی بڑھتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ بیراجوں وغیرہ میں نئی زمینوں کی تقسیم کے سلسلے میں مقامی کسانوں کو نظر انداز کر دیا گیا۔ بنگال، سندھ (اندرون)، بلوچستان اور سرحد پسماندہ تر ہو کر ایک منڈی اور خام مال اور سستی محنت کا وسیلہ بن گئے۔ ایوب آمریت میں ون یونٹ اور پیرٹی (PARITY) کے اصول کو برقرار رکھ کر مضبوط مرکز کی پالیسی پر عمل کیا گیا جس کا سب سے بڑا مظاہرہ بلوچستان میں انتہائی وحشیانہ فوجی کارروائی کے ذریعے کیا گیا۔ دائیں بازو کی جماعتوں کے مذہبی نعروں نے قومی تضاد کے لئے عمل انگیز کا کام کیا۔ یہی وجہ ہے کہ صوبائی خود مختاری اور ون یونٹ کی تنسیخ ۱۹۶۸ء کی تحریک میں نمایاں نعرے تھے۔

ایوب خان کا دور پاکستان میں امریکی سامراج کے معاشی، سیاسی اور ثقافتی غلبے کا دور تھا۔ ہماری خارجہ پالیسی سامراج کی بین الاقوامی حکمت عملی کا حصہ بنی رہی۔ سیٹو اور سینٹو میں پاکستانی حکومت اپنی وفاداری کا مظاہرہ کرتی رہی۔ عوام کو ان جارحانہ سامراجی معاہدوں کی اصلیت کی ایک جھلک اس وقت نظر آئی جب پشاور کے قریب بڈھ بیر کے امریکی اڈے سے یو ٹو (امریکہ کا جاسوس جہاز) کے اڑنے اور روس میں گرائے جانے کی اطلاع ملی۔

امریکی سامراج کے خلاف عوام کی نفرت میں مزید اضافہ ۱۹۶۲ء میں اس وقت ہوا جب ہندوستان چین جنگ کے دوران امریکہ اور بھارت کا معاہدہ سامنے آیا۔ جس کے تحت امریکہ نے بھارت کو فوجی امداد دینی شروع کی جو بھارت کی توسیع پسندی کے پیش نظر پاکستان کی سالمیت اور آزادی کے خلاف اقدام تھا۔ جس کی وجہ سے حکومت کو چین کی جانب جھکنا پڑا۔ پاکستان پر دباؤ ڈالنے کے لئے ۱۹۶۵ء کے شروع میں امریکی سامراج کے اشارے پر عالمی بینک کے کنسورشیم نے پاکستان کی مالی امداد روک دی لیکن سب سے زیادہ ۱۹۶۵ء کی جنگ میں سیٹو اور سینٹو

کے بانجھ پن اور امریکی سامراج کا براہِ راست اور دوسرے مغربی ممالک کے ذریعے پاکستان پر دباؤ نے حکومت کی تمام سامراج نواز پالیسیوں اور شمال سے خطرے کے نعرے کو عوام کے سامنے یک دم ننگا کر کے رکھ دیا۔ اسی دوران ویت نام میں امریکی سامراج نے ویت نامی عوام کے خلاف اپنی وحشیانہ جنگ تیز کر دی پاکستانی عوام خصوصاً طلبا نے کراچی، لاہور، ڈھاکہ اور دوسرے شہروں میں امریکی سامراج کے خلاف جلسے جلوسوں اور مظاہروں کی صورت میں بھرپور نفرت کا اظہار کیا۔ امریکہ سے تمام معاہدے ختم کرنے کا مطالبہ زور پکڑتا گیا اور پاکستان کی تاریخ میں پہلی بار امریکی سامراج مردہ باد کا نعرہ مقبول عام ہوا

جنوری ۱۹۶۶ء میں ایک اور واقعے نے ایوب آمریت کے خلاف عوام خصوصاً نوجوانوں کی نفرت کو مہمیز لگائی کیونکہ اس سے برسر اقتدار طبقوں کی بین الاقوامی دباؤ کے سامنے بزدلی اور عوام پر اعتماد کے فقدان کا اظہار ہوتا تھا۔ یہ واقعہ اعلان تاشقند تھا۔ بھارتی توسیع پسندوں کے آگے گھٹنے ٹیکنے اور کشمیریوں کے حق خود اختیاری کا سودا کرنے کے خلاف طلبا نے ملک بھر میں اپنی نفرت کا اظہار کیا۔ لاہور میں طلبا کے جلوس پر فائرنگ سے تین طالب علم شہید ہوئے۔ ایک طالب علم ملتان میں فائرنگ سے شہید ہوا۔ اس معاہدے پر دستخط کر کے ایوب خان نے اپنے استعفے پر دستخط کیے۔

ایوب خان کے اقتدار پر قبضہ کرتے وقت برسر اقتدار طبقوں میں چپقلش بہت بڑھ چکی تھی۔ اور دوسری جانب عوام کی جدوجہد آگے بڑھ رہی تھی اور ترقی پسند قوتوں کا دائرۂ اثر و عمل وسیع تر ہوتا جا رہا تھا جو کم از کم سامراجی مفادات کے خلاف ضرور اقدام کرتا۔ اس چپقلش کو کم کرنے اور ترقی پسند قوتوں کی پیش قدمی کو روکنے کے لئے سخت اقدامات کی ضرورت تھی جو پارلیمانی جمہوریت کے ذریعے ممکن نہیں رہا تھا اس لئے اسکندر مرزا کی "قابو شدہ جمہوریت" (CONTROLLED DEMOCRACY) کو ایوب خان نے عملی طور پر ۱۹۶۲ء کے آئین کے ذریعے لاگو کیا۔ صدارتی نظام اور بنیادی جمہوریتوں کے نظام کے تحت صرف ۸۰۰۰۰ منتخب بنیادی جمہوری اراکین ہی صدر، مرکزی اسمبلی اور صوبائی اسمبلیوں کے اراکین کو منتخب کرنے کے مجاز تھے

اس بالواسطہ طریقۂ انتخاب میں جوڑ توڑ بہت آسان تھی یہی وجہ ہے کہ ۱۹۶۵ء میں تمام حزب مخالف کی جماعتوں (COP) کی جانب سے صدارت کی امیدوار فاطمہ جناح ہار گئیں۔ لیکن عوام کے سامنے یہ حقیقت ایک حد تک واضح ہو گئی کہ انتخاب کے اس طریقہ کار کے تحت حکومت میں تبدیلی ممکن نہیں۔

ایوب خان کی فوجی نوکر شاہی آمریت نے قابو شدہ جمہوریت کے تحت جبر و تشدد کے ذریعے عوام کی ہر جدوجہد کو دبانے کی کوشش کی۔ ۱۹۶۰ء میں لاہور کے شاہی قلعے میں محنت کشوں کے عظیم فرزند حسن ناصر کو اذیتیں دے کر شہید کیا گیا۔ سرحد کے کسانوں پر کئی بار بے دریغ فائرنگ کی گئی۔ مزدوروں سے حق ہڑتال چھین کر ان کی چھانٹیاں ہوتی رہیں اور ان کے رہنماؤں پر قاتلانہ حملے ہوتے رہے۔

اس کے علاوہ اقربا پروری، کرپشن، رشوت ستانی انصاف کا سرے سے فقدان، کنونشن لیگ کے عہدیداروں اور ایوب خاندان کی غنڈہ گردی نے مذکورہ حالات میں عوام کے مسائل کو ناقابل برداشت بنا دیا

ہمیں دکھی دنیا سے الگ نہیں کر کھا جا سکتا

ولی محمد انجم : کنوینر انقلابی محاذ طلبہ

○
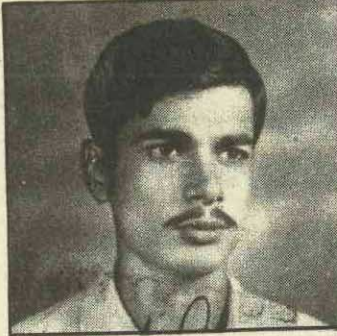
الفتح :- ولی صاحب آپ طالب علم سیاست پر پابندیوں کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔

ولی محمد انجم :- طالب علم سیاست پر پابندیاں اسطرح ہیں کہ مستقبل کے وارثوں کو مستقبل کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے لیے نااہل بنا دیا جاتا ہے۔ اور طلبا، کلرک بننے کے سوا اور کچھ نہیں بن پائیں۔ انہوں نے کہا تعلیم صرف پڑھنے تک محدود کر دی گئی ہے اور اس میں اس کا لازمی جز "تربیت" نکال دیا گیا ہے جبکہ تعلیم تربیت کے بغیر نامکمل رہتی ہے اور آج تک نوجوانوں میں یہی تاثر پیدا کیا جا رہا ہے وہ کچھ نہیں کر سکتے۔ بلکہ کچھ کرنا بڑے لوگوں کا فرض ہے جبکہ ملک کی تعمیر و ترقی کے لیے طالب علم بھی فعال کردار ادا کرتے ہیں۔ مگر انہیں اس حق سے محروم کر دیا گیا ہے۔

طالب علم سیاست پر عائد پابندیاں فی الفور ختم کی جائیں اور طلبار کو یونین سازی کا حق دیا جاتے۔ کیونکہ طلبار کسی مخصوص طبقہ سے تعلق نہ رکھنے کے باوجود جمہوری اداروں کی نشوونما میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ طلبار اس معاشرے کا اہم حصہ ہیں اور معاشرہ میں کسی بھی تبدیلی کا ان پر بہت گہرا اثر پڑتا ہے۔ اس لیے طلبار کو حق حاصل ہونا چاہیئے۔ کہ وہ ملکی معاملات میں اپنے خیالات کا اظہار کر سکیں۔ لیکن افسوس کہ کئی ماہ سے طلبار اپنے نمائندے جمہوری طریقے سے منتخب کرنے سے محروم ہیں۔

الفتح :- اہل قلم اور طلبار کے سماجی فرائض کے بارے میں آپ کی رائے کیا ہے؟

انجم :- ملک و قوم کی تعمیر و ترقی میں اہل قلم اور طلبار کا اہم کردار ہوتا ہے اور جمہوری نظام کی گاڑی چلانے میں اہل قلم انجن کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور طلبار گاڑی کے مکینک ہوتے ہیں۔ جب انجن میں کوئی نقص ہو اور گاڑی کے پرزے جام کر دیئے جائیں تو لازمی امر ہے کہ گاڑی رک جاتی ہے۔ اور مسافروں کو شدید پریشانی ہوتی ہے۔ اس لیے صحافت پر پابندیاں اور طلبار پر پابندی ہرگز ہرگز نہیں ہونا چاہیئے۔

الفتح :- سیاسی کارکنوں کو کوڑوں کی سزا اور انتخابات کے التوا کے بارے آپ کیا سوچتے ہیں؟

انجم :- طلبار جہاں اپنے نمائندوں کے انتخابات کے لیے کوشاں ہیں وہاں طلبار یہ چاہتے ہیں کہ عوام کو اپنے نمائندے منتخب کرنے کی جتنی جلد ممکن ہو اجازت دی جائے۔ کیونکہ اسطرح ملک ترقی نہیں کر سکتا۔ اور سماج دشمن عناصر طرح طرح کی کارروائیاں کر کے عوام کو ہراساں کر رہے ہیں۔

سیاسی قیدیوں اور طلبار کو کوڑوں کی سزا دینا صحافیوں کو جیلوں میں بند کرنا غیر جمہوری ہی نہیں بلکہ نامناسب ہے۔

ایک جانب ظلم و تشدد کا بازار گرم تھا تو دوسری جانب مختلف مالی اور سیاسی رشوتوں کے دروازے کھول دیتے گئے تھے۔ اس دور ا ہے پر کچھ دانشور جو درمیانے طبقے سے تعلق رکھتے تھے۔ آمریت کے ساتھ ہو لئے لیکن دانشوروں کی اس غداری اور موقع پرستی کی ایک اور وجہ بائیں بازو کی سیاسی تحریک کی کمزوری تھی کیونکہ ایک مضبوط سیاسی تحریک ہی درمیانے طبقے کو اپنی جانب کھینچ سکتی ہے اکتوبر سنہ ۱۹۶۸ء میں جب طلبا نے تحریک کا آغاز کیا تو ان دانشوروں کی حالت اس دیہاتی کی سی تھی جس نے زندگی میں پہلی مرتبہ زرافہ کو دیکھ کر کہا "یہ ناممکن ہے۔"

احتجاج کے تمام دروازے بند کرنے اور صرف اپنے پروپیگنڈے اور تشہیر کے مقصد سے ایوب آمریت نے ابتدا ہی میں پروگریسو پیپرز لمیٹڈ پر قبضہ کر لیا، سنہ ۱۹۶۰ء میں پریس اینڈ پبلیکیشنز آرڈیننس نافذ کیا اور سنہ ۱۹۶۴ء میں بڑے سرمایہ داروں خصوصاً داؤد کی مدد سے پریس ٹرسٹ قائم کیا۔ صحافت کی اس بے آبروئی کے ساتھ تعلیم کے شعبے میں بھی کالے قوانین کے ذریعے آمریت کا نفاذ کیا گیا۔

نظام تعلیم بدستور انگریزوں کا تیار کردہ لاگو رہا۔ کوئی بنیادی تبدیلی عمل میں نہیں آئی۔ پاکستانی معیشت صنعت اور ٹیکنالوجی سامراجی معیشت کا حصہ ہونے اور اسی پر انحصار کی بدولت سائنس اور ٹیکنالوجی کی تعلیم پر کوئی توجہ نہیں دی گئی۔ برسر اقتدار طبقوں کی اپنی مخصوص ضروریات کے تحت صرف تجارت کی تعلیم کو فروغ ملا خواندگی کا تناسب بدستور ۱۰ فیصد ہی رہا۔ تعلیم مہنگی ہوتی چلی گئی اور تعلیم کے بعد نوجوان روزگار کے لئے مارے مارے پھرتے رہے۔ بلکہ سنہ ۱۹۵۹ء کے تعلیمی کمیشن (سربراہ شریف ممبران میں اشتیاق حسین قریشی بھی تھے) نے طلبا کی تنظیمی اور دوسری آزادیاں کو چھیننے، تعلیم کو مہنگا کرنے اور تین سالہ ڈگری کورس کی سفارشات پیش کیں۔ طلبا نے اس کے خلاف جدوجہد کی اور سنہ ۱۹۶۲ء میں شہر بدری، لاٹھی چارج اور فائرنگ کے بعد تین سالہ ڈگری کورس واپس لے لیا گیا

بدنام زمانہ یونیورسٹی آرڈیننس کے خلاف بھی طلبا نے زبردست جدوجہد کی۔ یہ آرڈیننس طلبا اور اساتذہ کی جمہوری آزادیوں کو سلب کرنے اور خوفزدہ کرنے کے لئے نافذ کیا گیا تھا۔ اس دور میں جب کہ تقریباً تمام سیاسی جماعتیں یا تو خاموش کر دی گئی تھیں، یا انہوں نے حالات سے سمجھوتہ کر لیا تھا۔ صرف طلبا اپنے منفرد جوش و جذبے کے ساتھ فوجی نوکر شاہی آمریت سے لڑتے رہے اور سامراج کے خلاف اپنی نفرت کا اظہار کرتے رہے۔

سنہ ۱۹۶۸ء کی بین الاقوامی صورت حال نے بھی پاکستان میں طلبا کی سنہ ۱۹۶۸ء کی تحریک کے لئے محرک کام کیا۔ ویت نام میں امریکی سامراج کی انتہائی وحشیانہ جنگ اپنے عروج پر تھی جس میں ویت نامی حریت پسندوں کی قربانیوں، کامیابیوں اور ان کے ناقابل شکست عزم سے ہر ایک واقف تھا۔ لاؤس کمبوڈیا، افریقہ اور لاطینی امریکہ میں سامراج اور نوآبادکاروں کے خلاف انقلابی جنگیں لڑی جا رہی تھیں۔ یہ زمانہ تیسری دنیا کے اکثر ممالک میں امریکی سامراج کی پیش قدمی کو روکنے اور اس کی گرفت سے چھٹکارا پانے کے لئے انقلابی عمل کے تیز تر ہونے کا تھا۔ ڈلس کی پالیسی اپنی موت آپ مر چکی تھی اور سامراج کے جمہوریت اور انسانی اقدار کا محافظ ہونے کے تمام تر دعووں کا پول کھل چکا تھا۔

چین کے ثقافتی انقلاب میں نوجوان ہراول دستے کا کردار ادا کر رہے تھے۔ ماؤ کے اقوال کا سورج ساری دنیا پر پوری آب و تاب کے ساتھ روشن تھا۔ مغربی ممالک میں خصوصاً فرانس میں طلبا نے اپنے سماجی ڈھانچے کے خلاف علم بغاوت بلند کر رکھا تھا۔ خود امریکہ میں نوجوان اپنے ملک کی سامراجی سرگرمیوں کے خلاف احتجاج کر رہے تھے۔

ان ملکی اور بین الاقوامی حالات میں سنہ ۱۹۶۸ء کی عظیم طلبا تحریک کا آغاز ۱ اکتوبر کو کراچی میں این ایس ایف (جس کے صدر رشید حسن خان تھے) کے ہفتہ مطالبات کے آغاز سے ہوا۔ این ایس ایف اس وقت صرف کراچی اور سندھ کے چند شہروں تک محدود تھی۔ یہ مطالبات طلبا کے اپنے مخصوص مطالبات تھے۔

یونیورسٹی آرڈیننس کی تنسیخ کی جائے، طلبا یونینوں کو خود مختاری دی جائے، تعلیم کو عام اور سستا کیا جائے، فیسوں میں ۵۰ فیصد کمی کی جائے بسوں میں اور تفریحی مقامات پر طلبا کو رعایت دی جائے، تھرڈ ڈویژن کو داخلہ دیا جائے اور مزید تعلیمی ادارے کھولے جائیں وغیرہ۔ جدوجہد کا آغاز جلسوں

اس طرح ملک شدید انتشار پھیل جائے گا۔ ولی محمد انجم نے عام انتخابات فوری کرانے سیاسی قیدیوں کی رہائی اور گرفتار شدہ نامہ نگاروں صحافیوں کی فوری رہائی کا مطالبہ بھی کیا ہے۔

الفتح:۔ موجودہ سماجی بندھنوں میں رہتے ہوئے طلبا پر کیا فرض عائد ہوتے ہیں؟

انجم:۔ یہی وہ سماجی بندھن ہیں جن کی بدولت ہمارا ملک وہیں کا وہیں ہے۔ جہاں سنہ ۱۹۴۷ء میں تھا۔ ملک میں بنیادی صنعتوں کا فقدان ہے۔ مہنگائی نے کمر توڑ دی ہے۔ عام آدمی کا معیار زندگی نیچے سے نیچے جا رہا ہے۔ لوگ علاج کے بغیر مر رہے ہیں۔ طالب علم خوراک، لباس اور دیگر سہولتوں کی وجہ سے تعلیم سے محروم ہو جاتے ہیں۔ تعلیم کے دروازے بند ہیں۔ اور پہلی جماعت کی کلاس چالیس پچاس کی ہوتی ہے تو بی اے تک پہنچنے میں صرف ایک رہ جاتی ہے۔ ہم طلبا پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ جہاں اپنی تعلیم جاری رکھیں وہاں عوام کو یہ بھی بتائیں کہ یہ بھوک، ننگ، جہالت، طبی سہولتوں کا فقدان کیوں ہے یہ ہمارا معاشرہ دکھوں کی دنیا کیوں ہے۔ سماج کو ان غلط بندھنوں سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے جاگیرداری، سرمایہ داری اور دو قسم کے نظام تعلیم کو ختم کرنے کی جدوجہد کریں۔

الفتح:۔ کیا آپ اپنے نصاب تعلیم اور نظام تعلیم سے مطمئن ہیں؟

انجم:۔ ہرگز نہیں: یہ نصاب تعلیم اور نظام تعلیم غیر ملکی آقاؤں کا بنایا ہوا ہے جو کہ ہمارے ملک اور ہماری قوم کے لیے کوئی فائدہ نہیں دے رہا۔ یہ نصاب ہمارے وطن دشمنوں کا بنایا ہوا ہے۔ جو کبھی بھی ہمارے وطن کی بھلائی کی نہیں سوچتے بلکہ نقصان دینے کے مواقع تلاش کرتے رہتے ہیں۔

روشن ملک - نمائندہ الفتح

۲۲ خاندان صنعتی سرمائے کا ۶۶، بنکوں کا ۸۰ اور انشورنس کا ۹۷ فیصد کنٹرول کرتے تھے

اور مظاہروں سے ہوا لیکن جلد ہی جلوس احتجاج کا مرکزی اظہار بن گئے۔ جو طلباؑ کے مجاہدانہ رویے کی عکاسی کر رہے تھے۔

۷ اکتوبر ہی کو ایوبی آمریت کے دس سال پورے ہونے کے ساتھ "ترقی کے دس سال" کے نام سے جشن منانے کا سلسلہ شروع ہوا جو یقیناً اس فوجی نوکر شاہی آمریت کے دس سال کے مذکورہ جرائم کے بعد عوام کا مذاق اڑانے کے مترادف تھا۔ این ایس ایف کے کارکنوں نے کراچی میں اس جشن کے سلسلے میں کالجوں میں منعقد ہونے والے فنکشنوں کو ناکام بنانے پر عمل درآمد شروع کر دیا جس میں انہیں زبردست کامیابی حاصل ہوئی اور ایک دو وزیروں کو تو بھاگتے ہی بنی۔

اسی دوران ذوالفقار علی بھٹو نے اپنی نئی سیاسی پارٹی (جو دسمبر ۱۹۶۷ء میں قائم کی گئی) کے پلیٹ فارم سے ایوب خان کو بے نقاب کرنے اور اعلانِ تاشقند (جس سے اختلاف کے باعث بھٹو نے جون ۱۹۶۶ء میں ایوب کی کیبنٹ میں وزیر خارجہ کے عہدے سے استعفیٰ دے دیا تھا) اور دوسرے معاشی اور سیاسی مسئلوں کے متعلق اپنے خیالات سے عوام کو آگاہ کرنے کے لئے پاکستان کے مختلف شہروں کا دورہ کرنا شروع کیا اور کراچی کے طلباؑ نے جس جمود اور خوف و دہشت کی فضا کو توڑتے ہوتے جدوجہد کا علم بلند کیا اس میں بائیں بازو کے "انقلابی" رہنما اپنی بزدلی اور کم ہمتی کی وجہ سے این ایس ایف کی قیادت کو آگے بڑھنے سے روک رہے تھے۔ لیکن تاریخ کی ستم ظریفی دیکھئے کہ ان کے مقابلے میں برسر اقتدار طبقوں ہی کا ایک نمائندہ محلاتی سازشوں کے بجائے عوامی بغاوت کی موجوں کے سہارے آگے بڑھنے کے لئے تیار تھا۔ بھٹو نے طلباؑ کی اس پیش روی سے پیدا ہونے والی سازگار فضا کو نہ صرف استعمال کیا، بلکہ اسے مزید آگے بڑھانے کی بھی کوشش کی۔

یہ صحیح ہے کہ پاکستان کے نوجوان خصوصاً طلباؑ بھٹو کی پیپلز پارٹی کے بائیں بازو کے نعرے اور عوامی جدوجہد کے طریقۂ کار کو اپنانے ایوبی آمریت سے نفرت اور بھارتی توسیع پسندی کے خلاف ہونے کی وجہ سے اس کی حمایت کر رہے تھے اور پیپلز پارٹی کی ریڑھ کی ہڈی تصور کئے جاتے تھے لیکن پیپلز پارٹی کے ساتھ مشترکہ جلسوں، مظاہروں اور جلوسوں کے باوجود این ایس ایف کی حمایت مشروط تھی۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ اس معاملے میں بائیں بازو کے "بزرگ انقلابی" رہنماؤں کے مقابلے میں این ایس ایف کی نوجوان قیادت زیادہ سائنسی سوچ کا مظاہرہ کر رہی تھی۔

این ایس ایف کی قیادت ایوبی آمریت کے خلاف جدوجہد میں پیپلز پارٹی کا دُم چھلا بننے کو ہرگز تیار نہیں تھی بلکہ اسے سوشلزم کا داعی بھی تصور نہیں کرتی تھی اور ون یونٹ کے مسئلے پر توان کا موقف ۱۸۰ درجے مختلف (مخالف سمتوں) میں تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ۱۹۶۹ء کے وسط میں پیپلز پارٹی نے طلباؑ میں اپنی ایک علیحدہ تنظیم پی ایس ایف (PSF) بنائی۔ لیکن یہ تنظیم طلباؑ میں اپنی بنیاد نہ بنا سکی۔

کراچی سے طلباؑ کی جدوجہد کے آغاز کی وجوہات میں سے ایک تو اس وقت این ایس ایف کی اپنی تنظیمی صورتِ حال تھی۔ ۱۹۵۴ء میں سامراجی غلامی کا طوق

نجی شعبے نے ریاستی شعبے کی قیمت پر ترقی کی!

پہننے کے بعد کمیونسٹ پارٹی اور ترقی پسند تنظیموں پر پابندی لگانے کے ساتھ ڈی ایس ایف اور آل پاکستان اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن پر پابندی لگادی گئی جس کے بعد پنجاب میں طلباؑ کی کوئی صحیح نمائندہ تنظیم منظم نہ ہو سکی۔ مشرقی پاکستان میں قومی تضاد کے شدید ہونے اور ۱۹۶۵ء کی جنگ کا مغربی پاکستان سے زیادہ تعلق ہونے کی وجہ سے ایوبی آمریت کے خلاف مغربی پاکستان خصوصاً کراچی ہی پیش روی کے قابل تھی۔

۷ نومبر تک طلباؑ کی جدوجہد صرف کراچی تک محدود رہی۔ راولپنڈی میں ۷ نومبر کو کسٹم کے ایک واقعے پر طلباؑ نے زبردست جلوس نکالا۔ پولیس نے لاٹھی چارج کیا۔ آنسو گیس استعمال کی اور فائرنگ کی جس کے نتیجے میں پولی ٹیکنیک کا ایک طالب علم عبدالحمید جو ایک غریب اسکول ٹیچر کا لڑکا تھا شہید ہو گیا۔ طلباؑ کی نفرت کا لاوا ابل پڑا۔ اسی دن بھٹو سرحد کے دورے کے بعد پنڈی پہنچے اور پولیس نے ہر جگہ آنسو گیس اور لاٹھی چارج سے طلباؑ کے جلوسوں کو منتشر کرنے کی کوشش کی۔ اس کے ساتھ ہی کراچی، لاہور اور حیدرآباد میں طلباؑ نے زبردست مظاہرے کئے۔ طلباؑ کی جدوجہد ایک شہر یا علاقے تک محدود نہیں رہی تھی اور براہِ راست ایوبی آمریت کے خلاف نبرد آزما ہو چکی تھی۔ ۸ نومبر کو تمام تعلیمی ادارے غیر معینہ مدت کے لئے بند کر دیئے گئے۔ متعدد طالب علم رہنماؤں کو گرفتار کر لیا گیا۔ تقریباً ہر بڑے شہر میں دفعہ ۱۴۴ کا نفاذ ہو گیا لیکن طلباؑ کی جدوجہد جلسوں اور جلوسوں کی شکل میں جاری رہی اور اس کی شدت میں کمی نہ آئی۔

طلباؑ کی جدوجہد اب ایک نئے مرحلے میں داخل ہو چکی تھی۔ پنجاب میں ایکشن کمیٹی کے ذریعے طلباؑ نے اپنی جدوجہد کو منظم کیا اس دوران بائیں بازو کے "بزرگ انقلابی" رہنماؤں کی موقع پرستی کی وجہ سے کراچی میں این ایس ایف (کاظمی) جو طلباؑ میں نہ ہونے کے برابر تھی اور اعلانِ تاشقند کی حمایت کرتی تھی۔ طلباؑ کی قیادت سنبھالنے کے لئے میدان میں کود پڑی لیکن اس مرحلے پر این ایس ایف (رشید) کا تنظیمی دائرہ پورے ملک میں پھیل رہا تھا۔

ادھر سیاسی میدان میں بھٹو کی گرفتاری کے بعد اصغر خان کود پڑے کیونکہ دوسری سیاسی جماعتیں اپنی بزدلی اور تحریک کے ترقی پسند رُخ کی وجہ سے یا تو مراقبے میں بیٹھی تھیں یا اس تحریک کی مذمت کر رہی تھیں۔ بلکہ جماعتِ اسلامی کے ترجمان 'ایشیا' نے طلباؑ تحریک کے آغاز ہی میں اسے یورپ کی طالب علم تحریکوں کی طرح "سرخوں کی سازش" قرار دیا اور ایوب خان کی جانب اس "سازش" کے خلاف دوستی کا ہاتھ بڑھانے کی پیش کش کی۔

طلباؑ جدوجہد کے نئے مرحلے میں داخل ہونے کے بعد جدوجہد پنجاب اور سندھ سے باہر پھیل رہی تھی اور اس میں کیفیتی تبدیلی آ رہی تھی۔ طلباؑ کی جدوجہد سیاسی جدوجہد سے منسلک ہو رہی تھی۔ طلباؑ کے مطالبات میں سیاسی

مطالبات بھی شامل ہو چکے تھے۔ ایوبی آمریت کے خلاف نعروں میں شدّت آنے کے ساتھ ساتھ اعلانِ تاشقند کے خاتمے، سیٹو سینٹو سے علیحدگی اور امریکی سامراج سے ناطے توڑنے کے مطالبے بھی زور پکڑ گئے۔ جاگیرداری اور گماشتہ اجارہ دار سرمایہ داروں کے خلاف نعروں کی گونج سنائی دینے لگی۔ طلبا جدوجہد کے پروگرام اور نعروں کی یہ شعوری تبدیلی جہاں معروضی حالات کی واضح صورت کی مرہونِ منت تھی وہاں طلبا کی قیادت کی سائنسی سیاسی سوجھ بوجھ کی عکاسی بھی کرتی ہے۔

مشرقی پاکستان میں ایپسو (EPSU) اور ایپسل (EPSL) نے اسٹوڈنٹس آل پارٹی ایکشن کمیٹی بنائی۔ ایپسل عوامی لیگ کی طلبا تنظیم تھی، اس کمیٹی نے ۱۱ نکات پر جدوجہد کرنے کا عزم کیا۔ ان گیارہ نکات میں طلبا کے مخصوص مطالبات کے علاوہ پارلیمانی فیڈرل نظامِ حکومت بنکوں، انشورنس کمپنیوں اور بڑی صنعتوں کو قومیانے ٹیکسوں اور لگان میں کمی، مزدوروں کی تنخواہوں میں اضافہ، مشرقی پاکستان میں سیلاب پر کنٹرول، ہنگامی حالات کا خاتمہ، سیٹو سینٹو سے علیحدگی، تمام سیاسی قیدیوں (بشمول اگرتلہ کیس کے گرفتار شدگان) کی رہائی اور چند دوسرے مطالبے شامل تھے۔ مشرقی پاکستان کی تقریباً تمام بڑی سیاسی جماعتوں نے ان نکات کی حمایت کی اور تھوڑے سے ردّ و بدل کے ساتھ مغربی پاکستان میں این ایس ایف (رشید) نے بھی ان نکات کو طلبا کی جدوجہد کا محور بنایا

اس طرح طلبا جدوجہد نہ صرف سیاسی جدوجہد سے منسلک ہو گئی بلکہ طلبا اس کی قیادت بھی کر رہے تھے۔ ۲۳ جنوری کو ایکشن کمیٹی کے تحت ڈھاکہ میں ۵۰۰۰ طلبا نے زبردست جلوس نکالا جس پر پولیس کے لاٹھی چارج اور فائرنگ سے کئی افراد شدید زخمی ہوئے۔ ۴ فروری کو لاہور میں پولیس اور طلبا کے درمیان زبردست تصادم کے نتیجے میں دو طالب علم نعیم اللہ اور اقرار بیگ شہید ہو گئے اور تقریباً ۱۰۰ افراد زخمی ہوئے جس کے بعد لاہور میں کرفیو لگا دیا گیا۔ مشرقی پاکستان میں طلبا نے اس اسپیشل کورٹ پر حملہ کر دیا جس میں شیخ مجیب پر اگرتلہ سازش کیس کے سلسلے میں مقدمہ چل رہا تھا۔

طلبا تحریک صوبہ سرحد میں بھی پھیل چکی تھی۔ بلوچستان میں مضبوط طلبا تنظیم کے نہ ہونے اور تعلیمی اداروں اور طلبا کی مختصر تعداد کی وجہ سے یہ جدوجہد بلوچستان میں جڑیں نہ پکڑ سکی ایک اور اہم وجہ وہاں کی اپنی مخصوص سیاسی جدوجہد کی نوعیت تھی۔

اب طلبا جدوجہد اس نئے مرحلے میں اپنی انتہائی منزل پر پہنچ چکی تھی اور ملکی سیاست پر پوری طرح حاوی تھی۔ مغربی پاکستان میں دائیں بازو کی جماعتوں نے جمہوری مجلسِ عمل (DAC) تشکیل دے کر اس جدوجہد کے رُخ کو موڑنے اور ایوب خان سے ساز باز کرنے کی کوشش کی اور ایوب خان کی گول میز کانفرنس میں شرکت کر کے اقتدار تک پہنچنے کے لئے شارٹ کٹ استعمال کرنے کی کوشش کی۔ لیکن اس وقت تک عوام خصوصاً طلبا کی مجاہدانہ جدوجہد کی وجہ سے بھٹو اور

ایوب خاں کا دور امریکی سامراج کے غلبے کا دور تھا

مجیب کی رہائی ہو چکی تھی۔ بھٹو اور بھاشانی کے بائیکاٹ اور دوسرے عوامل کی وجہ سے یہ گول میز کانفرنس ناکامی کا شکار ہوئی۔

ان سیاسی حالات میں فروری کے آخر میں ملک گیر تحریک کے نئے مرحلے میں داخل ہونے کے ساتھ طلبا جدوجہد بھی ایک اور کیفیتی تبدیلی سے دوچار ہوئی مشرقی پاکستان میں عوامی لیگ اور نیشنل عوامی پارٹی نے اور مغربی پاکستان میں پیپلز پارٹی نے ایک حد تک اس تحریک کی سیاسی قیادت سنبھال لی۔ طلبا کی جدوجہد مختلف حصوں میں یا تو اس کی مکمل حمایت میں تھی یا این ایس ایف کی طرح مشروط حمایت کے ساتھ اپنا خود مختارانہ مؤقف بھی اختیار کئے ہوئے تھی۔

لیکن سیاسی جدوجہد مارچ کے شروع میں اس وقت فیصلہ کن مرحلے میں داخل ہو گئی جب پاکستان کے مزدور طبقے نے انتہائی مجاہدانہ انداز میں اس جدوجہد کا رُخ پوری طرح استحصالی نظام کی تباہی کی جانب موڑ دیا۔ ۱۵ مارچ تک پاکستان میں ۱۰ لاکھ سے زیادہ مزدور ہڑتال پر تھے اور گھیراؤ کے انقلابی طریقے پر اپنے مطالبات منوا رہے تھے۔ گھیراؤ کا سلسلہ پورے پاکستان میں پھیل چکا تھا اس کے ساتھ ہی درمیانے طبقے سے تعلق رکھنے والے اساتذہ، ڈاکٹر، وکیل، صحافی پوسٹ مین وغیرہ سب ایوبی آمریت کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ حکمران طبقوں میں کھلبلی مچ گئی اور ۲۵ مارچ کو ایوب خان کو ہٹا دیا گیا۔ یحییٰ خان چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر بن گئے اور اس کے ساتھ ہی پاکستان کی سیاسی زندگی میں ایک بڑی تبدیلی رونما ہوئی۔ جمہوری مجلسِ عمل ختم ہو گئی اور تمام سیاسی جماعتیں عام انتخابات کی تیاریوں میں مصروف ہو گئیں۔ لیکن یہ طلبا اور مزدور ہی تھے جنہوں نے یحییٰ خان کی آمریت میں بھی جدوجہد کی شمع روشن رکھی

اس دوران طلبا تحریک کی قیادت ترقی پسند طلبا ہی کے ہاتھ میں رہی اور وہی سیاسی جماعتیں مقبول ہوئیں جنہوں نے ترقی پسند نعرے اپنائے۔ دائیں بازو کی جماعتیں اس تحریک میں استحصالی نظام کے محافظوں کے "مقدس فرائض" صحیح طور پر انجام نہ دے سکے تھے اس لئے یحییٰ خان کے دور میں عوامی جدوجہد کی شدت میں کمی کو غنیمت جان کر جماعت اسلامی اور اس کی طلبا شاخ اسلامی جمعیت طلبہ نے اپنے "مقدس فرائض" نبھانے شروع کئے۔

ایوب خان کے دور میں طلبا تحریک کے دوران اسلامی جمعیت طلبا خاموش تماشائی بنی رہی۔ نام نہاد "اسلامی نظامِ تعلیم" کے سلسلے میں اکتوبر ۱۹۶۸ء میں این ایس ایف کی پیش رفت سے گھبرا کر جلسے نما خاموشی کے ساتھ چند پُرامن مظاہروں کے ذریعے "جہاد" کا ورد کر کے بیٹھ گئی۔ بڑی مشکل سے اس نے پانچ ماہ کے عرصے میں ایک نام نہاد جلوس نکالا اور ہر جگہ یہ کوشش کرتے رہے کہ تحریک کو کیسے سبوتاژ کریں۔

۲۵ مارچ کے بعد ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت ترقی پسند افراد اور ترقی پسند نظریات کے خلاف کارروائیاں کی گئیں اور یہ یقیناً انتخابات کے پیشِ نظر ہوا۔ شیر علی جو اس وقت وزیر اطلاعات تھے (آج کل جماعت اسلامی میں ہیں) نے ترقی پسند صحافیوں کے خلاف انتقامی کارروائیوں میں بھرپور حصہ لیا۔ سوشلزم کے خلاف فتوے صادر کئے گئے اور اسی طرح تعلیمی اداروں کی رجعت پرست انتظامیہ کے ساتھ گٹھ جوڑ کر کے ترقی پسند اساتذہ کے خلاف جمعیت نے مہمیں چلائیں اور ان کو نوکریوں سے نکلوایا۔ انجیل (مرے کالج کا ہنگامہ) اور قرآن کی بے حرمتی کے چکر چلاتے گئے اور ہر جگہ ترقی پسند طلبا کے ساتھ

تصادم کی پالیسی اختیار کی جس میں یحییٰ خان کی حکومت نے بھی ایک حد تک ان کی مدد کی۔

اس کے علاوہ رجعت پرست انتظامیہ کے ذریعے یونینوں کے انتخابات میں دھاندلیوں سے اپنے امیدوار کامیاب کرائے جس کی واضح مثالیں دسمبر ۱۹۶۹ء میں پنجاب اور کراچی یونیورسٹی کے انتخابات ہیں جن میں بنائے گئے ٹریبونلوں نے تسلیم کیا کہ انتخابات میں دھاندلی ہوئی ہے۔

اسی طرح جمعیت کوئٹہ ڈگری کالج میں ایک طالب علم ظریف کی ہلاکت کا سبب بھی بنی۔ ان تمام سرگرمیوں سے جمعیت نے تعلیمی اداروں میں تو اپنے آپ کو نسبتاً بہتر بنا لیا لیکن ۱۹۷۰ء کے انتخابات کے نتیجے پر اثر انداز نہیں ہو سکی۔

اس عرصے میں مشرقی پاکستان میں ایپسو (EPSU) دو گروپوں میں بٹ گئی۔ ایک کے سربراہ راشد خان مینن تھے اور دوسرا گروپ موتیا گروپ کہلایا۔ اسی طرح کی تقسیم این ایس ایف میں رشید گروپ اور کاظمی گروپ کے نام سے پہلے ہی موجود تھی۔ یہ تقسیم دنیا کی انقلابی تحریکوں میں انقلاب اور ترمیم پسندی کے درمیان خط امتیاز کھنچ جانے کے بعد ہوئی۔ مشرقی پاکستان میں EPSU (موتیا گروپ) اور کراچی میں این ایس ایف (کاظمی گروپ) ترمیم پسندی کے ساتھ منسلک ہو گئے۔ ویسے اب کاظمی گروپ ناپید ہو چکا ہے۔

ایپسو (راشد) کے طلباء انتخابات میں حصہ نہ لینے کی وجہ سے عوامی لیگ کی طلباء تنظیم ایپسل (EPSL) نے مشرقی پاکستان میں ڈھاکہ یونیورسٹی اور دوسرے تعلیمی اداروں کی طلباء یونینوں پر قبضہ کر لیا۔

این ایس ایف (رشید) پورے ملک میں پھیل چکی تھی لیکن جلد ہی اس میں ٹوٹ پھوٹ شروع ہو گئی جس پر ہم بعد میں بحث کریں گے۔ اس دوران پورے پاکستان میں طلباء کی نئی تنظیمیں بھی وجود میں آئیں کیونکہ ایک تو ملکی سیاست کا طلباء پر اثر انداز ہونا لازمی امر ہے۔ وہ معاشرے کا سب سے زیادہ حساس حصہ ہوتے ہیں اور ان کا مختلف سیاسی لائنوں کو قبول کرنا ان کے سیاسی شعور کی عکاسی کرتا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ طلباء کی قوت ایک مسلّمہ حقیقت بن کر سامنے آ چکی تھی اور طلباء میں سیاسی لائن کے ہونے کی اہمیت پوری طرح ظاہر ہو چکی تھی۔ جسے جانتے ہوئے سیاسی جماعتوں نے شعوری طور پر طلباء میں اپنے گروپ تشکیل دیئے۔ جمعیت العلمائے اسلام، جمعیت علمائے پاکستان تحریک استقلال نے جمعیت طلبائے اسلام اور تحریک استقلال طلباء کے نام سے طلباء تنظیمیں بنائیں۔ قومی تضاد کی موجودگی میں نیپ اور جئے سندھ کی طلباء تنظیمیں پختون اسٹوڈنٹس فیڈریشن، بلوچ اسٹوڈنٹس فیڈریشن اور جئے سندھ اسٹوڈنٹس فیڈریشن بھی وجود میں آئیں ان میں کچھ مزید گروپ بھی بنے۔ اس کے علاوہ این ایس او 'WPSU' نوائے طلبہ اور PSD کے نام سے بھی تنظیمیں وجود میں آئیں لیکن زیادہ تر کم عمری میں ختم ہو گئیں۔

۲۵ مارچ ۱۹۶۹ء سے دسمبر ۱۹۷۱ء میں بھٹو کے برسر اقتدار آنے تک طلباء تنظیمیں الگ الگ یا تو اپنی مربی سیاسی جماعتوں کے لئے سرگرم عمل رہیں یا علاقائی اور مخصوص طلباء مسائل کے لئے جدوجہد کرتی رہیں۔ طلباء تنظیموں کی بڑی تعداد جدوجہد میں آڑے نہیں آسکتی بلکہ مشترکہ جدوجہد کے صحیح طریقہ کار پر گامزن نہ ہونا جدوجہد کی سب سے بڑی کمزوری بن جاتی ہے۔

۱۹۶۸ء کی طلباء تحریک میں قیادت آخر تک ترقی پسند طلباء کے ہاتھ میں رہی اور اسلامی جمعیت طلباء جیسی تنظیمیں عوام دشمنی میں بری طرح بے نقاب ہوئیں۔ لیکن اتنی ساری قربانیوں، فائرنگ، گرفتاریوں کے باوجود تعلیمی اداروں کے انتخابات میں جمعیت نے سرحد، بلوچستان اور اندرون سندھ کو چھوڑ کر پنجاب اور کراچی میں نسبتاً اپنی پوزیشن بہتر بنا لی۔ جب کہ این ایس ایف جو اس تحریک میں ہراول تھی عام انتخابات دسمبر ۱۹۷۰ء سے کچھ پہلے اور بعد میں تنظیمی طور پر انتشار کا شکار ہو گئی۔ اس معاملے میں

رپورٹ: این ایس ایف ○ اوکاڑہ، دیپالپور، رینالہ خورد

کوڑوں کی سزا کے مستحق محلات اور بنگلوں میں ہیں

— قیس، محمود اقبال، احمد نواز بھٹی —

نیشنل اسٹوڈنٹس فیڈریشن پنجاب کے نائب صدر افضال شیخ اور این ایس ایف ساہیوال کے صدر سید احتشام اکبر نے تحصیل اوکاڑہ، دیپال پور اور رینالہ خورد کا دورہ کیا۔ رینالہ خورد میں کارکنوں سے خطاب کرتے ہوئے افضال شیخ نے کہا کہ آج جس طرح عوام پر مظالم کیے جا رہے ہیں۔ اس کی ماضی میں مثال نہیں ملتی۔ سیاسی کارکنوں کی گرفتاریاں بڑے پیمانے پر جاری ہیں، مزدوروں کو برطرف کیا جا رہا ہے۔ یونینوں کے عہدیداروں پر جھوٹے مقدمات بنائے جا رہے ہیں۔ ظلم کے خلاف آواز اٹھانے والوں کو مارشل لاء کے ضابطوں کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ ٹریڈ یونین سرگرمیوں پر پابندی ہے جس کی وجہ سے مزدور اپنے حقوق کا دفاع نہیں کر سکتے۔ لاہور اور ستلج کاٹن ملز کے محنت کشوں نے جب انتظامیہ سے اپنی تنخواہیں اور بونس طلب کیا تو انہیں کوڑوں کی سزا سنائی گئی۔ مزدور جو اس ملک کے معمار ہیں۔ ان پر کوڑے برسائے جا رہے ہیں۔ اور جنہیں کوڑوں کی سزا ملنی چاہیئے۔ وہ محلات اور بنگلوں میں بیٹھے ہوئے عیش کر رہے ہیں۔ جمہوری قدروں کو پامال کیا جا رہا ہے۔ عوام کے مسائل کو الجھایا جا رہا ہے۔ این ایس ایف مزدوروں کے مطالبات کی حمایت کرتی ہے اور ہمیشہ کرتی رہے گی۔ کیونکہ یہ اس کی روایات میں شامل ہے۔ اجلاس میں جو قراردادیں منظور کی گئیں ان میں ملک بھر میں سیاسی کارکنوں، مزدوروں اور طالب علموں کی گرفتاریاں اور خواتین پر پولیس کے تشدد پر گہری تشویش کا اظہار کیا گیا۔ اور مطالبہ کیا گیا کہ تمام گرفتار شدگان کو رہا کیا جائے۔ مزدوروں کی چھانٹیوں اور برطرفیوں کو بند کرنے کا مطالبہ کیا گیا۔ ستلج کاٹن ملز اوکاڑہ، رستم سائیکل فیکٹری اور اداروں کے مزدوروں کی سزائیں منسوخ کی جائیں۔ رستم سہراب فیکٹری کے مزدوروں کی پوری تنخواہ ادا کی جائے۔ اور برطرف مزدوروں کو فوراً بحال کیا جائے۔ سیاسی سرگرمیوں، ٹریڈ یونینوں اور طلباء کی انجمنوں سے پابندی ہٹانے اور مہنگائی ختم کرنے کا مطالبہ کیا گیا۔

اس سے قبل دیپال پور میں این ایس ایف کا اجلاس ہوا۔ امتیاز احمد وٹو، یوسف رفیقی، کنور طارق منیر اور رانا سلیم پرویز نے اپنے اپنے یونٹوں کی رپورٹیں پیش کیں۔ گورنمنٹ کمرشل انسٹی ٹیوٹ دیپال پور این ایس ایف کے کنوینر کنور طارق

مبنر نے تنظیم کی تاریخ کا تفصیلی جائزہ پیش کیا۔ دیپال پور کے دو ممتاز طالب علم رہنماؤں احمد نواز بھٹی اور محمد یعقوب امجد نے این ایس ایف میں شمولیت کا اعلان کیا۔ اجلاس میں ملک بھر میں سیاسی کارکنوں پر تشدد اور گرفتاریوں پر گہری تشویش کا اظہار کیا گیا۔ اور مطالبہ کیا گیا کہ سیاسی قیدیوں کو فی الفور رہا کیا جائے۔ مقدمات واپس لیے جائیں۔ ایک دوسری قرارداد میں مارشل لا ضابطہ ۲۸ واپس لینے کا مطالبہ کیا گیا۔ ستلج کاٹن ملز اوکاڑہ کے مزدوروں کو قید اور کوڑوں کی سزا کی شدید مذمت کی گئی۔

دریں اثنا نیشنل اسٹوڈنٹس فیڈریشن ساہیوال کے صدر احتشام اکبر نے اپنے ایک بیان میں حکومت کی موجودہ پالیسی پر کڑی نکتہ چینی کی۔ جس کے تحت عوام کو ایک منظم سازش کے تحت سیاسی اور جمہوری حقوق سے محروم کیا جا رہا ہے۔ ملک میں صرف ان لوگوں کو کھلی چھٹی دی گئی ہے جن کے دامن عوام دشمنی سے داغدار ہیں۔ محنت کشوں سے بنیادی حقوق تک چھین لیے گئے ہیں۔ عوام کے جمہوری حقوق اس لیے معطل کیے گئے ہیں تاکہ وہ متحد ہو کر طبقاتی اور استحصالی نظام کو تباہ نہ کر دیں۔ انہوں نے مطالبہ کیا کہ تمام جمہوری اور بنیادی حقوق بحال کیے جائیں۔ سیاسی قیدیوں، مزدوروں، کسانوں اور طلباء کو رہا کیا جائے۔ کوڑوں کی سزا ختم کی جائے۔ مارشل لاء ضابطہ ۲۸ واپس لیا جائے۔ تعلیمی کانفرنس کی سفارشات کو کالعدم قرار دیا جائے۔ مزدوروں کو دی گئی کوڑوں کی سزا ختم کی جائے۔

کچھ عوامل کا ذکر تو پہلے کیا جا چکا ہے۔ اس کے علاوہ غالب قومیت کی شاونسٹ سوچ نے بھی جمعیت کی کراچی اور پنجاب کے کچھ علاقوں میں بہتر صورتِ حال میں اہم رول ادا کیا ہے۔ اس کے علاوہ این ایس ایف کی تنظیمی صورتِ حال نے بھی اس سلسلے میں ایک حد تک جمعیت کی مدد کی ہے۔

این ایس ایف کی تنظیم تحریک کے شروع میں شعوری کوشش کے باوجود زیادہ تر خود رَو انداز میں پنجاب اور سرحد میں تیزی سے بنی۔ جب کہ خود رَو تنظیم سیاسی اور نظریاتی طور پر غیر ہم آہنگی کا شکار ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ این ایس ایف کی پہلی قیادت جو سیاسی اور نظریاتی طور پر نسبتاً زیادہ مضبوط تھی اور سیاسی پروگرام اور سیاسی نعروں کے تحت چل رہی تھی، کا نئی قیادت سے سیاسی اور نظریاتی تضاد لازمی تھا جس کی وجہ سے این ایس ایف کی تنظیم میں جلد ہی ٹوٹ پھوٹ ہونا شروع ہو گئی۔

اس کے علاوہ سیاسی میدان میں بائیں بازو کی سیاسی جدوجہد بورژوا پارٹیوں کے دُم چھلہ پن کا شکار تھی جو ہمیں ورثے میں ملا ہے۔ اس جدوجہد کی موقع پرستی نے پیپلز پارٹی کے لئے سازگار حالات کی آبیاری کی۔ ایک صحیح انقلابی سیاسی جدوجہد کی غیر موجودگی میں طلبا کی جدوجہد صحیح سیاست، صحیح سمت، صحیح حکمت عملی اور صحیح طریقہ کار کے باوجود نہ تو پوری طرح قوت پکڑ سکتی ہے اور نہ ہی منطقی نتیجے تک پہنچ سکتی ہے کیونکہ یہ عمومی سیاست کا ایک حصہ ہے، نہ کہ کُل۔

لیکن اس کے باوجود این ایس ایف کی قیادت کو خامیوں سے مبرا قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اگر وہ عین وقت پر سیاسی پروگرام اور خود رَو تنظیم کے تضاد کو صحیح طور پر سمجھ پاتے اور تشدیدی سیاسی اور نظریاتی پروپیگنڈے اور تعلیم کو اپنی صفوں میں پھیلاتے تو صورتِ حال نسبتاً بہتر ہوتی۔ ایجی ٹیشن کے دوران مذکورہ پروپیگنڈے کو سنہ ۷۰-۱۹۶۹ء کی صورتِ حال میں بہت اہمیت حاصل تھی جسے نظر انداز کر دیا گیا۔ جدوجہد کے دوران جدوجہد کے ایک پہلو کے اہمیت اختیار کرنے کے بعد دوسرے پہلو کو سرے سے نظر انداز کر دینا بہت سی تحریکوں کی کمزوری رہا ہے۔ اس کے علاوہ جدوجہد میں شامل طالب علموں کے مختلف اور متضاد مقاصد کو بھی نہیں بھولنا چاہیئے اور نہ ہی ان کے روزگار کے حصول کا مقصد جو انہیں ایک حد تک جاہ پسند (CAREERIST) بناتا ہے نظر انداز کرنا چاہیئے اور یہ صرف مجاہدانہ جدوجہد کا عمل ہی ہے جو انہیں فولاد کی ناقابلِ شکست چٹان بنا سکتا ہے۔

قومی تضاد کو کم اہم سمجھنے کی وجہ سے بھی این ایس ایف سرحد، بلوچستان اور اندرون سندھ تنظیم سازی کے کام میں زیادہ کامیابی حاصل نہ کر سکی۔ سنہ ۱۹۶۸ء کی طلباء تحریک اپنی پیش رَو تحریکوں کے مقابلے میں بہتر، منظم اور صحیح سمت میں تھی۔ یہی وجہ ہے کہ لاٹھیوں، گولیوں، گرفتاریوں اور تشدد کے باوجود اور طلباء مطالبات کی جزوی کامیابی (فیسوں میں کمی، بسوں وغیرہ کے کرایوں میں رعایت، تھرڈ ڈویژن کے داخلے اور یونیورسٹی آرڈی نینس کی چند شقوں کی تنسیخ) کے باوجود آگے بڑھتی رہی اور ایک جست لگا کر سیاسی جدوجہد میں تبدیل ہو گئی۔ جب کہ سنہ ۵۳-۱۹۵۲ء کی تحریک طلبا کے چند مطالبوں کے تسلیم کئے جانے کے بعد ختم ہو گئی۔ سنہ ۱۹۶۲ء اور سنہ ۶۴-۱۹۶۳ء میں بھی پورے پاکستان میں طلباء نے تین سالہ ڈگری کورس اور یونیورسٹی آرڈی نینس کے خلاف تحریکیں چلائیں اور مکمل یا جزوی مطالبات کے حصول کے بعد یہ تحریکیں سیاسی جدوجہد میں تبدیل نہ ہو سکیں۔ بلکہ زیادہ تر تحریکوں میں بعد میں رہنماؤں کی رہائی کا مطالبہ سرِ فہرست مطالبہ بن گیا۔

اس کے علاوہ اس تحریک نے اس سچائی کو بھی ثابت کیا ہے کہ تعداد کے مقابلے میں صحیح وقت پر صحیح پروگرام اور ثابت قدمی ہی کامیابی کی ضمانت ہے۔ پاکستان میں طلباء نے ہر دور اور ہر حکومت میں کالے قوانین اور جبر و تشدد کے خلاف اور تعلیمی مسائل کے حل، بین الاقوامی انقلابی تحریکوں سے ہمدردی اور سامراجی ظلم و ستم کے خلاف مجاہدانہ تحریکیں چلائیں جو جدید نوآبادیاتی نظام کے شکنجے میں جکڑے ہوئے اس ملک کے لئے بہت اہمیت رکھتی ہیں۔ کیونکہ مغربی ممالک کی نسبت تیسری دنیا کے ممالک میں جو خواندگی کے لحاظ سے بہت پسماندہ ہیں (پاکستان میں خواندگی ۱۸ فی صد ہے) طلباء انٹیلی جنشیا کا بہت بڑا حصہ ہیں اور اپنے اجتماعی ماحول مجاہدانہ جوش و جذبے اور مختصر ماضی اور طویل مستقبل کے مالک ہونے کے علاوہ ان ممالک میں نئے سائنسی علوم اور دنیا کی ترقی سے متعلق اطلاعات سے زیادہ بہرہ ور ہوتے ہیں۔ اس لئے محنت کش طبقوں کی جدوجہد میں پروپیگنڈے اور تعلیم میں بنیادی کردار ادا کر سکتے ہیں۔

دنیا کے مختلف ممالک میں بیسویں صدی میں وقوع پذیر ہونے والے انقلابات میں طلباء کی جدوجہد ایک اہم عنصر کی حیثیت سے رہی ہے۔ بلکہ زیادہ تر اسی جدوجہد نے سیاسی انقلابات کے لئے راستے ہموار کئے ہیں۔ تیسری دنیا کے ممالک میں طلباء کی جدوجہد سامراج دشمن جمہوری جدوجہد کا ایک حصہ ہے بلکہ اہم ترین حصوں میں سے ہے۔ پاکستان کے ترقی پسند طلباء نے زیادہ اہم فریضے انجام دینے ہیں۔ ان کا ماضی ان کے مستقبل کی بہت حد تک نشاندہی کرتا ہے۔

●●

ساڑھے لاکھ مزدوروں نے ہڑتال کر کے فرانس کو دنیا سے الگ کر دیا

وہ آخر دم تک لڑنے کی قوت سے لڑ رہے تھے

"یہ حالات پیرس کمیون کے دوران بھی رہے ہوں گے دھوئیں کے گھرے بادلوں کے درمیان اینٹوں اور پتھروں کی اونچی اونچی رکاوٹیں جن پر سرخ جھنڈے لگے ہوئے تھے تاریک آسمان کے پس منظر میں سرخ سگنل کے وقفے وقفے سے دھماکے جلتی ہوئی گاڑیوں سے آسمان کی جانب لپکتے ہوئے شعلے، وقفے وقفے سے پُر زور دھماکے، آہنی خود پہنے ہوئے کالی وردی میں ملبوس پولیس کے آہستہ آہستہ آگے بڑھتے ہوئے لشکر، نعرے لگاتے، جھنڈے ہلاتے اور گاتے ہوئے باغی طالب علم، شور و غوغا میں سے ابھرتے ہوئے محنت کشوں کے بین الاقوامی ترانے اور فرانس کے قومی نغمے کے بول، فرسٹ ایڈ کی اپنے سٹریچرز کے ہمراہ ادھر ادھر بھاگتی ہوئی ٹیمیں .... کچھ طالب علم انتہائی دلیری سے وقفے وقفے سے آگ کے بم پھینکنے کے لئے سڑک کو تیزی سے پار کرتے یا بفر بنانے کی خاطر اس ہنگامے میں ایک کار چلا کر لے آتے لیکن وہ تعداد میں اپنے سے کہیں زیادہ بڑی اور بہتر اسلحے سے لیس طاقت کی پیش قدمی نہ روک سکے۔ اپنی مہموں کے دوران جب پولیس ایک رکاوٹ تک پہنچ جاتی تو وہ اس پر قبضہ کرنے سے پہلے اس کی اینٹوں اور پتھروں کو محافظوں پر استعمال کرتی جب کہ اس دوران فلیٹوں کے مکین طلبا پر پانی پھینک کر انہیں آنسو گیس سے بچانے کی کوشش کرتے .... لڑکے اور لڑکیاں شاید پر نہ جانتے ہوں کہ وہ کس کے لئے لڑ رہے ہیں لیکن وہ یقیناً آخری دم تک لڑنے کی قوت سے لڑ رہے تھے۔"

یہ ۹ مئی ۱۹۶۸ء کو پیرس کے لیٹن کوارٹروں (غریب علاقہ جہاں زیادہ تر طالب علم رہتے تھے) میں طلباء اور پولیس کے درمیان لڑائی کے آنکھوں دیکھے واقعات کی روداد ہے جو ٹائمز کے ایک نمائندے نے بتائی۔ ۱۹۶۸ء کا یہ سال ایک عظیم انقلابی سرگرمی کا سال تھا خصوصاً دنیا کو انقلابی پیغام پہنچانے کے لئے نوجوانوں کی پیش قدمی کا سال تھا۔ دنیا کو ہلا دینے والی نوجوانوں کی ان تحریکوں کا نقیب چین کا عظیم ثقافتی انقلاب تھا۔ یہ ثقافتی انقلاب ۱۹۶۵ء میں چیئرمین ماؤزے تنگ نے پارٹی اور دوسرے ڈھانچوں میں ترمیم پسندانہ رجحانات کے خلاف شروع کیا۔ جس میں بنیادی کردار چین کے نوجوانوں نے ادا کیا۔ یہ ثقافتی انقلاب اپنی ارتقائی دور میں فلٹر ہو کر باہر کی دنیا میں آیا۔ چین میں ترمیم پسندی کی شکست اور ویت نام میں سامراجی جنگ کی شدت جو امریکی سامراجیوں کی کمزور حالت کی عکاسی کرتی تھی۔ دقیانوسی عالمی سرمایہ دارانہ نظام کی بنیادوں پر حملے کرنے کے لئے تمام دنیا میں انقلابی ابھار کیلئے ایک سگنل تھا۔

طلبا میں ہلچل ۲ مئی ۱۹۶۸ء کو اس وقت شروع

• طلبہ نے ریاست سے اپنی آزادی کا اعلان کر دیا

• دس دن جنہوں نے دنیا ہلا دی

ہوئی جب انتظامیہ نے پیرس کے مغربی نواحی علاقے میں نینتیر میں "یونیورسٹی کمپلیکس" کو ختم کر دیا۔ کچھ ہفتے پہلے نینتیرے میں بائیں بازو کے طلبا، سوشیالوجی کے ایک طالب علم اور زاجی کوہن بندت کی سرکردگی میں انتظامیہ کے خلاف جدوجہد کر رہے تھے۔ جلد ہی یہ جدوجہد دوسرے کالجوں تک پھیل گئی اور ۳ مئی کو طلبا نے سوربون یونیورسٹی پر قبضہ کر لیا اور یہ یونیورسٹی بند کر دی گئی۔ نینتیرے کی "۲۲ مارچ کی تحریک" کے ساتھ اتحاد کی بنیاد پر سوربون کے طلبا نے پولیس کی کیمپس خالی کرانے کی کوشش کے خلاف مزاحمت کی۔ اس دن بے شمار طلباء لڑائی میں زخمی ہوئے اور ۶۰۰ طلبا کو پولیس نے گرفتار کر لیا طلباء کی ان گرفتاریوں کے نتیجے میں ۶ مئی کو تشدد آمیز واقعات ہوئے جن میں ...۱۰ طلبا نے فرانسیسی بلوہ پولیس (CRS) کے ساتھ جنگ لڑی۔ احتجاج کی کال نیشنل یونین آف فرنچ اسٹوڈنٹس (یو این ای ایف) نے دی تھی۔ اس کال کا جواب فولادی خود پہنے پولیس نے آنسو گیس کے بموں، لاٹھی چارج اور پانی پھینکنے سے دیا لیکن طلبا نے اپنی تعداد کی بدولت اس پر قابو پا لیا۔ طلبا نے پولیس پر وحشیانہ سلوک کا الزام لگایا۔ ۶۰۰ طلبا زخمی ہوئے اور ۴۲۲ طلبا کو گرفتار کر لیا گیا۔ جنگ عظیم کے بعد تباہی کے اتنے بڑے مناظر دکھائی دے رہے تھے۔

اگلے دن یو این ای ایف نے پیرس میں تمام تعلیمی اداروں میں ہڑتال کی کال دی جس پر مکمل طریقے سے عمل درآمد ہوا فرانس کے دوسرے حصوں کے طلبا پیرس کے طالب علم ساتھیوں کے مطالبات کی حمایت میں سڑکوں پر نکل آئے اور طلبا کی رہائی اور یونیورسٹی کو دوبارہ کھولنے کا مطالبہ کیا۔ ٹمپو بڑھتا چلا جا رہا تھا اور اس دوران ڈیگال نے اپنی کیبنٹ سے یونیورسٹیوں کو جمہوری طرز پر چلانے اور جدید بنانے کی ضرورت کا اظہار کیا لیکن انہوں نے نظم و ضبط کو ہر طرح برقرار رکھنے پر زور دیا۔ ڈیگال کی حکومت کے خلاف نفرت کی چنگاری بھڑک چکی تھی اور عوام خود رو انداز میں سڑکوں پر آ رہے تھے مظاہرے روزمرہ کا معمول بن چکا تھا اور وہ بڑھتے چلے جا رہے تھے اور پورے ملک کو اپنی لپیٹ میں لے رہے تھے۔ ۹ مئی کو پہلی دفعہ طلبا نے سڑکوں پر بڑی بڑی رکاوٹیں کھڑی کیں۔ طلبا اور پولیس کے درمیان گھمسان کے مقابلوں کے دوران جنہیں شروع میں بیان کیا جا چکا ہے ۳۶۷ طلبا زخمی ہوئے جن میں سے ۲۲ بری طرح زخمی ہوئے۔ سڑکیں تباہ ہو گئیں، کئی ایک دکانیں ٹوٹیں اور ۱۸۸ گاڑیاں تباہ کر دی گئیں۔ ۱۱ مئی کو حالات نے ایک فیصلہ کن رخ اختیار کیا جب طلبا کے ساتھ مزدور بھی حکومت کے خلاف اس انقلابی جدوجہد میں شامل ہو گئے۔ فرانس کی دو بڑی ٹریڈ یونین فیڈریشنوں کمیونسٹ سی جی ٹی (CGT) اور کیتھولک سی ایف ڈی ٹی (CFDT) نے طلبا کی حمایت میں ۱۳ مئی کو ۲۴ گھنٹے کی ہڑتال کی کال دی۔ بجلی گیس اور ڈاک کے ملازمین کی اس کال کے جواب میں ہڑتال کی وجہ سے اہم ترین محکموں کی سرگرمیاں معطل ہو گئیں۔ اساتذہ اور شاگرد اسکولوں

سے باہر نکل آئے اور ۲ لاکھ کا عظیم جلوس ۴ گھنٹوں تک شہر کی سڑکوں پر مارچ کرتا رہا۔ دوسرے شہروں میں اس طرح کے مظاہروں کی وجہ سے تقریباً پورا فرانس اٹھ کھڑا ہوا حتیٰ کہ ریڈیو اور ٹیلی ویژن کی یونین نے بھی پروگراموں میں تخفیف کر دی۔

اگلے چند دنوں میں فرانس میں یہ ابھار اپنی آخری حد کو چھو رہا تھا۔ طلبا کی ایکشن کمیٹی نے جو فرانس میں "طلبا طاقت" کا نمائندہ ہونے کا دعویٰ کر رہی تھی تمام یونیورسٹیوں پر قبضہ کر لیا اور ریاست سے الگ اپنی آزادی کا اعلان کر دیا۔ اسی کے ساتھ ساتھ مزدوروں نے تمام فیکٹریوں پر قبضہ کر لیا مزدوروں نے رینالٹ کار بنانے والی فرم کی پانچ فیکٹریوں پر مکمل قبضہ کر لیا جو ہفتے میں چالیس گھنٹے کام، کم از کم اجرت میں اضافے اور بہتر سماجی تحفظ کے مطالبات کے لئے لڑ رہے تھے۔ ۱۰۰۰۰۰ مزدور ہڑتال پر تھے اور تمام فیکٹریوں پر سرخ اور سیاہ جھنڈے لہرا رہے تھے۔

ہڑتالوں کا یہ سلسلہ ناقابل یقین حد تک بڑھ چکا تھا۔ تمام بڑی بڑی فیکٹریوں مثلاً بھاری گاڑیوں کے کارخانے، مصنوعی ریشوں کے ٹیکسٹائل کے کارخانے اور بیون میں اسلحہ کے کارخانے پر مزدوروں نے قبضہ کر لیا۔ کئی بندرگاہوں پہ شپ یارڈز کو مزدوروں نے اپنے کنٹرول میں لے لیا اور ریل ڈاک اور ہوائی سروسز میں زبردست کمی کی بدولت فرانس کے برسر اقتدار طبقوں پر نزع کی حالت طاری تھی۔ ۱۹ مئی کو ۲۰ لاکھ مزدور ہڑتال پر تھے، ۱۲۰ فیکٹریوں پر مزدوروں کا قبضہ تھا، پیرس میں تمام ٹرانسپورٹ کا نظام معطل تھا۔ اور اورلی کا ہوائی اڈہ بالکل خالی پڑا تھا۔ وزیر اعظم پومپیڈو اپنے ہم وطنوں سے مایوسی کے عالم میں بار بار اپیل کر رہا تھا۔ کہ نراجیت پسندی چھوڑ دو۔ ڈیگال ہوشیاری سے جوڑ توڑ کر کے اس عوامی بغاوت کے حملے کو روکنے کے لئے ہر ممکن حربہ آزما رہا تھا۔ لیکن لگ رہا تھا کہ ڈیگال کا وقت پورا ہو چکا ہے اگلے دن ۲۰ مئی کو فرانس تقریباً پوری دنیا سے کٹ چکا تھا جب کہ فرانس کے تقریباً ۱۰ لاکھ محنت کش ہڑتال پہ تھے۔

ڈیگال نے قوم کے نام اپنے ایک اور اعلان میں تعلیمی اور صنعتی اصلاحات کا وعدہ کیا اور جون میں ریفرنڈم کرانے کی پیشکش کی۔ اس اعلان کے صرف ۳۰ منٹ کے اندر ڈیگال کی تجاویز کے خلاف پیرس میں انتہائی تشدد آمیز مظاہرے ہوئے۔ مابعد میں ڈیگال نے خود تسلیم کیا کہ وہ اس وقت استعفیٰ دینے کے لئے تیار تھا لیکن جب مغربی جرمنی میں بیدن بیدن کے ہیڈکوارٹرز میں فرانسیسی فوج نے اس کے ۲۹ مئی کے خفیہ دورے میں اسے یقین دلایا کہ فوج اس کی پشت پناہ ہے تو وہ ہر طریقے سے اس عوامی بغاوت کو کچلنے پر تیار ہو گیا۔ جب بلوہ پولیس فیکٹریوں پر دوبارہ قبضہ کرنے کے لئے حملے کر رہی تھی تو پیرس کے گرد و نواح میں فوج اور ٹینکوں کے دستوں کی نقل و حرکت کی اطلاعات بھی مل رہی تھیں ڈیگال نے ریفرنڈم ملتوی کر دیا اور قومی اسمبلی توڑ دی تاکہ آئین کے تحت نئے انتخابات کرائے جائیں اور اب رجعت پسندوں کے لئے فضا تیار تھی کہ وہ باہر آ کر برسر اقتدار طبقوں کی حمایت کریں۔ پیرس کی سڑکوں پر تقریباً ۵۰۰۰۰۰ افراد نے مخصوص انداز میں مظاہرہ کیا۔

جون کے پہلے ہفتے میں کام پہ واپسی شروع ہو چکی تھی۔ ۷ جون کو فلنز میں رینالٹ کے کارخانے میں مزدوروں اور پولیس میں تصادم ہوا۔ پیجو سوچیٹی میں ۳۰۰۰ بلوہ پولیس کے سپاہیوں نے کارخانے پر ہلہ بولتے ہوئے ایک نوجوان مزدور کو ہلاک کر دیا۔ "قوت طلبا" کے مراکز پر انتظامیہ نے دوبارہ قبضہ کر لیا۔ قائم شدہ نظام کی جانب واپسی شروع ہو چکی تھی۔ مظاہروں پر پابندی لگا دی گئی اور انتہائی چالاکی سے آئین کی ذومعنی شقوں کو استعمال میں لا کر سات انقلابی طلبا تنظیموں کو غیر قانونی قرار دے دیا گیا۔

اس کے بعد انتخابات میں ڈیگال کو زبردست فتح حاصل ہوئی۔ لیکن اس کے اقتدار کا خاتمہ اگلے سال، ۲۷ اپریل کو ہو گیا جب اس نے اپنی اصلاحات پر ریفرنڈم کرایا اور وعدہ کے مطابق اسے استعفیٰ دینا پڑا۔

جب کبھی کوئی انقلابی عرصے کے واقعات دوبارہ پڑھتا ہے تو اسے بہت سے نئے پہلو بھی دکھائی دیتے ہیں جو وہ پہلے نہیں دیکھ سکا تھا۔ بالکل اسی طرح جیسے ایک پینٹنگ، موسیقی یا ادب کے کسی شاہکار کی پوری دنیا ایک بار سامنے نہیں آتی بلکہ ایک اور نظر یا ایک اور بار پڑھنے سے نئے نئے پہلو سامنے آتے ہیں۔ انقلاب یا انقلابی واقعات بھی آرٹ کے نمونوں ہی کی طرح ہیں۔

جان ریڈ نے "دس دن میں جنہوں نے دنیا ہلا ڈالی" کے تعارف میں لکھا ہے . . . . "جیسے کہ تاریخ دان جو پیرس کمیون کی چھوٹی سے چھوٹی تفصیل کے لئے بھی ریکارڈ تلاش کرتے رہتے ہیں چاہیں گے کہ انہیں یہ بھی علم ہو کر پیٹروگراڈ میں کیا ہوا۔ یہ ۱۹۶۸ء کی تحریکوں کے لئے بھی صحیح ہے۔ ان تحریکوں سے متعلق ملنے والے اکثر مواد میں صحیح وضاحتوں کی کمی ہے اور یہ سطحی ہیں۔ لیکن طلبا کی ایکشن کمیٹیوں کی داستانیں، طالبعلموں کا آپس میں بحث مباحثہ کہ وہ اپنے معاملات کس طرح طے کریں، طلبا سے بھرے ہوئے آڈیٹوریم میں ژاں پال سارتر کی آمد اور طلبا کے ساتھ بحث میں حصہ لینا تمام حالات جہاں اپنی طرف زبردستی متوجہ کرتے ہیں وہاں تحریک کے گہرے تجزیے کیلئے کچھ نہ کچھ مواد مہیا کرتے ہیں۔ جیسے طلبا نے ڈی لا اوڈین تھیٹر پر جو فرانس کے قومی تھیٹروں میں سے ہے قبضہ کر کے اس میں سرمایہ دارانہ نظریات کے حامیوں کا داخلہ بند کر دیا اور اسے صرف طلبا اور مزدوروں کے درمیان ثقافتی تبادلوں اور ملاقاتوں کے لئے مختص کر دیا۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کس طرح خود رو جدوجہد شعوری طور پہ کیفیتی تبدیلیاں لانے کی کوشش کر رہی ہے۔ اس تھیٹر پر جو "طلبا قوت" کے مرکزوں میں سے ایک تھا جون میں پولیس نے قبضہ کر لیا۔

اس عرصے میں اگرچہ انقلابی جدوجہد عالمی پیمانے پر جاری تھی لیکن اس نے فرانس میں جو فیصلہ کن رُخ اختیار کیا اس کی جڑیں فرانسیسی معاشرے کی انقلابی روایات میں پیوستہ ہیں۔ لیکن سب سے اہم مشاہدہ یہ ہے کہ اتنے زبردست ابھار کے بعد فرانس دوبارہ بورژوا سامراجی نظام میں جکڑا گیا۔ لیکن اس کی وجہ صرف مغربی معاشرے میں تلاش کی جا سکتی ہے۔

عالمی پیمانے پر نوجوانوں کی تحریک ۱۹۶۸ء کو اپنی انتہا کو پہنچی لیکن اس سے پہلے بھی لاطینی امریکہ، ایشیا، یورپ اور امریکہ میں اس کی آواز سنائی دیتی ہے۔ امریکہ کی تحریکیں کچھ مختلف تھیں کیوں کہ سیاہ فام نوجوانوں نے اسے مخصوص کردار کا مالک بنایا۔ اور انجلا ڈیوس کی طرح عظیم انقلابیوں کو جنم دیا۔ طلبا جدوجہد مغربی یورپ میں سماجی ڈھانچے کی انتہائی ناشی شکل کے خلاف تھی۔ اسپین میں براہ راست جنرل فرانکو کی ڈکٹیٹر شپ کے خلاف تھی۔ فرانس میں اس جدوجہد نے اگرچہ ڈیگال کی حکومت کا تختہ الٹ دیا لیکن ایک زبردست ثقافتی اثر کے علاوہ کوئی انقلابی نتیجہ برآمد نہ ہو سکا۔ نراجیت پسند ڈینیل کوہن بندت نے جو ۱۹۶۸ء کی اس تحریک کے ترجمان کی حیثیت سے سامنے آیا اپنے ایک دیوالیہ پن کے تجزیے میں تسلیم کرتا ہے کہ مزدور طبقہ اس لئے اقتدار نہ حاصل کر سکا کہ ایک تو کمیونسٹ پارٹیاں جو نوکر شاہی کی طرز پر چل رہی ہیں اسٹیبلشمنٹ کا حصہ بن چکی ہیں اور دوسری وجہ خود نراجیت پسند ہیں جو بھرپور طور پر منظم سرمایہ داری کے خلاف خود رو انقلاب کے مجرد نسخے ہی پیش کر سکتے ہیں اور یہ کہ افسوس آج کوئی مارکس نہیں جو مختلف قوتوں کا طبقاتی تجزیہ کرے، بائیں بازو کی نقاب کشائی کرے اور ان کی غلطیوں کو سامنے لائے۔

مغربی سرمایہ دارانہ معاشرہ اس کیڑے یا جرثومے کی طرح ہے جو ہر نئی دوا کے لئے اپنے اندر ایک حد تک مزاحمت پیدا کر لیتا ہے لیکن مغربی معاشرے کی اس لچک کا بھید عالمی

نظام کے تضادات، اور انقلاب کے مرکز کا ترقی یافتہ ممالک سے تیسری دنیا کے ممالک کی جانب تبدیل ہو جانے میں موجود ہے

مغربی معاشرہ استحکام کے دھوکے میں مبتلا ہے اس معاشرے کو باقی رکھنے کے لئے آئینی بادشاہتوں، بالغ رائے دہی، نظام کی بقا کے حق میں اور تبدیلی کے خلاف زبردست، پروپیگنڈے اور پارلیمنٹ کے ساز و سامان مہیا کئے گئے ہیں لیکن سب سے اہم انقلاب دشمن ہتھیار مزدور اشرافیہ اور ترمیم پسندی ہیں جنہوں نے مذکورہ ساز و سامان کے استعمال کے لئے زمین ہموار کی ہے۔ ہمیں یاد رکھنا چاہیئے کہ انقلابی سائنسی معاشی اور سیاسی حالات اور انقلاب کے ادراک کے سائنسی مطالعے اور عمل ہی میں ارتقا پذیر ہے کیوں کہ ردِ انقلاب بھی انقلابات سے سیکھنے میں پیچھے نہیں ہے۔ ایک ملک کی انقلابی جدوجہد سے دوسرے ملک کے برسرِ اقتدار طبقے بھی سیکھتے ہیں کوہن بندت پر جو مغربی جرمنی سے تعلق رکھتا ہے طلباء کی بغاوت کے دنوں میں فرانس ہی داخلے پر پابندی تھی لیکن اسے برطانیہ میں داخلے کی اجازت حاصل تھی اور وہ اور جون کربائیں بازو کے دوسرے جرمن، فرانسیسی، اطالوی اور امریکی طلباء اور نوجوان اساتذہ کے ساتھ بی بی سی کے "طلبا کی بغاوت" پر مذاکرے میں شامل ہوا۔ یہ سب کچھ برطانوی نظام کے روایتی مظاہرے میں سے ہے تاکہ واقعات کا تجزیہ کر کے اپنے ہاں مروجہ نظام کی بقا کے لئے کچھ کیا جا سکے۔ فرانس میں خود یہ حقیقت کہ لیٹن کوارٹرز میں رکاوٹوں پر تصادم کے دوران فائرنگ نہیں کی گئی، مطالبات کا تسلیم کیا جانا اور اصلاحات انقلاب دشمن سوچ اور تجزیوں کو بھی عیاں کرتی ہے۔

اس پیش گوئی کے لئے کہ انقلاب دنیا کے کس حصے میں برپا ہوگا کوئی مسلمہ قانون نہیں ہے۔ عمومی طور پر صرف یہی کہا جا سکتا ہے کہ انقلاب وہاں آئے گا جہاں تاریخی صورتِ حال میں بین الاقوامی سرمایہ داری کا رشتہ سب سے کمزور ہوگا۔ آج کل یہ رشتہ تیسری دنیا میں سب سے کمزور ہے جو ان ممالک میں وحشیانہ فاشی جبر و استبداد سے ظاہر ہوتا ہے (مزدوروں اور طلبا پر فائرنگ ان ممالک میں ایک عام انقلاب دشمن طریقہ ہے) غیر مساوی سرمایہ دارانہ تجارت اور لوٹ کھسوٹ کے دوسرے براہِ راست طریقوں کے ذریعے بین الاقوامی برسرِ اقتدار طبقے مغربی ممالک میں "استحکام" کی آبیاری کرتے ہیں۔

تیسری دنیا کا کوئی بھی فرد مغربی یونیورسٹیوں میں "آزاد" ماحول کے مشاہدے سے انکار نہیں کر سکتا۔ طلبا میں کچھ صحیح اور کچھ نام نہاد ریڈیکل بھی ہیں۔ پہلی نظر میں یہاں کا نظامِ تعلیم اپنے استاد طالب علم رشتے، تعلیمی سرگرمیوں کے جاندار ارتقا وغیرہ کی وجہ سے انقلابی دکھائی دیتا ہے۔

۱۹۶۸ء کے اُسی مہینے میں کولمبیا میں امریکی طالب علموں کی بغاوت کے دوران قانون کے اسکول کے اساتذہ اور منتظمین نے "اعتماد کا اعلان" شائع کیا جس میں انہوں نے کہا کہ "منظم احتجاج قابلِ اجازت سرگرمی ہے جس کا تحفظ پبلک ایجنسیوں کی مداخلت کے خلاف آئین نے بھی دیا ہے۔ ہمیں اس بات سے اتفاق نہیں ہے کہ سول نافرمانی کی ہر تحریک قابل سرزنش ہے"

فرانس میں طلبا نے یہ مطالبہ بھی کیا تھا کہ یونیورسٹیوں کو "پارلیمنٹ سے الگ" ایسی قوت کے نمائندے قرار دینا چاہیئے جو معاشرے کی تعمیر اور تبدیلی میں حصہ لیں۔ لیکن ہم کولمبیا کی مثال کے پیشِ نظر دیکھ سکتے ہیں کہ مغربی معاشرہ بغاوت کی مختلف شکلوں کو مروجہ نظام میں کس طرح اداراتی طور پر پیوستہ کرنا چاہتا ہے۔ آج کل مغربی یونیورسٹیاں ایسے مشہور نارلوں سے بھری پڑی ہیں جو مارکزم کی تبلیغ کرتے ہیں جو انقلابی سائنس کو عالمانہ بحث تک محدود کرنے کے درپے ہیں اور محنت کش طبقے کی صحیح قیادت کو الگ تھلگ کر کے مغربی معاشرے میں جان ڈالنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

اس پورے دقیانوسی نظام نے عوام کی زندگیوں کو اجیرن بنا کے رکھ دیا ہے۔ یہ نظام جو اندرونی طور پر انقلاب کے لئے بالکل تیار ہے اپنی ملکیت کی سوچ ختم کرنے کے لئے تیار نہیں ہے کیوں کہ وہ باہر سے بہت کچھ حاصل کر رہا ہے۔ یہ تضاد جس میں مغربی معاشرہ بُری طرح دھنسا ہوا ہے وہی ہے جس نے ۱۹۶۸ء کے زبردست دھماکے میں مغربی سماجی ڈھانچوں کے "استحکام" کی سوچ پر کاری ضرب لگائی۔ ان کی فاشی ماہیت کو بے نقاب کیا اور ان ممالک کے عوام کا تیسری دنیا کے عوام کے ساتھ اتحاد کا بھرپور مظاہرہ کیا۔ اس تحریک کا ایک مثبت پہلو اس حقیقت کا اظہار ہے کہ اس دور میں طلبا مزدوروں کے مستقل اتحادی کی حیثیت رکھتے ہیں۔

مغربی دنیا میں ردِ انقلاب ایک ایسی غلیظ منزل پر پہنچ چکا ہے کہ وہ عوام کو انقلابی ثقافت اپنانے اور اس کے ارتقا میں حصہ لینے سے روک رہا ہے۔ اندرونی طور پر عوام کو دبانے کے لیے جبر و استبداد کی قوتوں (فوج پولیس وغیرہ) چیدہ چیدہ افراد کے قتل اور انقلابی تنظیموں میں اپنے ایجنٹ داخل کرنے سے کام لیا جا رہا ہے۔ بیرونی طور پر ایٹمی دہشت نیپام بموں اور رجعت پرست گٹھ جوڑ نے تیسری دنیا کے ممالک میں عوام کی دلیرانہ مزاحمت کو تیز تر کر دیا ہے لیکن مغرب میں ان حالات نے قنوطیت پرست، فلسفوں مثلاً وجودیت وغیرہ اور مایوس دہشت انگیز

زیادتیوں کے خلاف ساتھ دینے والے گرفتار

فاروق طارق

بشیر احمد بھٹی

محمد مستنصر اسد چیئرمین نیشنل پیپلز سٹوڈنٹس فیڈریشن اور محمد بشیر بھٹہ سابق جنرل سیکرٹری ایم اے او کالج نے اقتدار سے محرومی کے بعد بھی پی پی پی کا ساتھ دیا چنانچہ اس جرم میں محمد مستنصر اسد ایڈووکیٹ کو ۲۶ اکتوبر کو تین ماہ کے لئے نظر بند کر دیا گیا۔ نظر بندی کے شروع ہونے سے قبل وہ ڈاکٹر کے مشورے کے مطابق ایک ماہ کے لئے اپنے گاؤں میں آرام کر رہے تھے پولیس نے صبح تین بجے ان کے گھر پہ چھاپہ مارا اور انہیں شاہ کوٹ کے مقام سے گرفتار کر لیا۔ گرفتاری کے بعد کوٹ لکھپت جیل میں پہنچا دیئے گئے لیکن بعد ازاں انہیں نیو سنٹرل جیل فیصل آباد بھیج دیا گیا۔ یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ اگرچہ وہ سیاسی شخصیت ہیں۔ لیکن انہیں مارشل لا ضابطہ نمبر ۹ کے تحت گرفتار کیا گیا اور جیل میں انہیں بیڑیاں پہنا کر رکھا گیا۔ انہیں آج کل "منڈے خانے" یعنی بچوں کے اصلاح خانے میں بند رکھا گیا ہے اور جیل مینوئل کے مطابق کسی قسم کی کوئی سہولت مہیا نہیں کی جا رہی۔ ان

کارروائیوں کو جنم دیا ہے لیکن مغربی معاشرے سے نفرت کا یہ اظہار تیسری دنیا کے عوام پر ایک تاثر ضرور برقرار رکھے ہوئے ہے اور یہ تیسری دنیا کے عوام ہی ہیں جو وقت کی نبض پر اپنا انقلابی ہاتھ رکھے ہوئے مغربی ممالک کے عوام کی قیادت بھی کر رہے ہیں۔ ملک خود مختاری چاہتے ہیں، قومیں آزادی چاہتی ہیں اور عوام انقلاب چاہتے ہیں۔

سوشلزم، جذبات اور اصول

پشاور ——— دلبر خان

سوشلزم کے تصور کے ضمن میں ہم اس حد تک آپ کی کاوشوں کا اعتراف کرتے ہیں کہ عوام کی غالب اکثریت کو کم از کم الفتح ہی کے بدولت سوشلزم کے مفہوم و افادیت سے آگاہی حاصل ہوتی۔ آپ کی فاضلانہ استعداد کی روشنی سے سوشلزم کا ہر پہلو اجاگر ہوا۔ مگر ترقی پسند حضرات خصوصاً الفتح کے قارئین آپ کی تحریروں میں ایک بات کی کمی شدت سے محسوس کر رہے ہیں۔ یعنی سوشلزم کے شرائط و ضوابط اور پاکستان میں سوشلزم کے نفاذ کی راہ میں رکاوٹیں۔ "سوشلزم کا نفاذ کسی ملک کے مخصوص حالات کا تابع ہوتا ہے"۔ سوشلزم کا اولین بنیادی اصول ہے یعنی آپ منزل مقصود کی نشاندہی تو کرتے رہتے ہیں لیکن راستے کے پیچ و خم اور تاریک گوشوں پر روشنی ڈالنے سے صرف نظر کر جاتے ہیں۔ جبکہ عوام کو اپنی رہنمائی کے لئے اسی بات کی ضرورت ہے۔

ورنہ پھر اس بات میں کسی بھی شک و شبے کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہے گی کہ عوامی قافلہ راستے سے بھٹک کر کسی اور طرف نکل جائے گا۔ ہمارے اکثر ترقی پسند ساتھی سوشلزم کی جذباتی وکالت میں سوشلزم کے بنیادی اصول کو نظر انداز کر کے ناداں دوست کا کردار ادا کر رہے ہیں۔ میرا مقصد آپ پر تنقید کرنا نہیں اور نہ ہی آپ کو سکھانے کی حیثیت میں ہوں۔ چونکہ میں الفتح کے ذریعے بھی ترقی پسندانہ فیض حاصل کر رہا ہوں۔ لہٰذا میرا مقصد آپ کے سامنے اپنے تجسس کی نشاندہی کرنا ہے۔ کائنات کی تمام مخلوق کا ہر عمل قدرتی شرائط و ضوابط کا پابند ہوتا ہے جس کا دوسرا نام ارتقائی عمل ہے۔ لہٰذا ہم کسی سیاسی نظام کو کس طرح شرائط و ضوابط کے قیود سے آزاد سمجھ سکتے ہیں؟ آپ الزام لگا رہے ہیں کہ پیپلز پارٹی کی حکومت نے سوشلزم کے ساتھ دھوکہ کیا ہے اور پیپلز پارٹی

ایک رجعت پسند جماعت ہے۔ کچھ وقت کے لیے میں تسلیم کرتا ہوں کہ آپ صحیح کہہ رہے ہیں۔ مگر عوام کی ذہنی پسماندگی، تاریک ملائیت، مذہبی جنون، برصغیر کا صدیوں تک استحصالی نظام میں جکڑا رہنا۔ اسی نظام کی پیداوار افسر شاہی نسلی، لسانی اور ثقافتی اعتبار سے پاکستان میں مختلف قومیتوں کا وجود جیسی بڑی رکاوٹیں سوشلزم کی راہ میں حائل ہیں کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟ جب تک آپ مذکورہ مسائل پر روشنی نہ ڈالیں گے سوشلزم کے متعلق آپ کی سوچ جانبدارانہ اور یکطرفہ ہے بلکہ منفی ہے۔ ۱۹۷۲ء میں پی پی پی کے کنونشن منعقدہ راولپنڈی میں پارٹی کے چیئرمین جناب ذوالفقار علی بھٹو نے کارکنوں کو مخاطب ہو کر فرمایا۔

"آپ کہتے ہیں کہ ہماری حکومت منشور میں کیے گئے سوشلسٹ وعدوں کے بارے میں مخلص نہیں۔ جناب من! ہم ایک ہی منزل مقصود کی طرف جانا چاہتے ہیں۔ آپ ... جہاز میں بیٹھ کر جانا چاہتے ہیں جبکہ میں چھکڑے ... منزل مقصود کی جانب جا رہا ہوں۔ لیکن یہ یاد رکھیے اگر آپ کے جیٹ جہاز کا ایک سکرو بھی نکلا تو جہاز بھک سے اڑ جائے گا۔ اور سب کچھ بھسم ہو کر رہ جائے گا۔ اور اگر میرے چھکڑے سے ایک پہیہ بھی نکل جاتے تو کوئی پرواہ نہیں۔ ہمارے راستے میں متعدد رکاوٹیں ہیں ان سے ٹکرانا نہیں بلکہ ان کو عبور کرنا ہے۔ جس وزن سے عوام نے پیپلز پارٹی کو ووٹ دیئے ہیں اسی مناسبت سے سوشلزم کے نفاذ کی رفتار بھی قائم رکھنا ہے۔ سوشلزم کو اپنی مکمل شکل میں نافذ کرنے کے لیے عوام کے مکمل اعتماد کی ضرورت ہے"۔ جناب عا... سرمایہ داروں کے ایجنٹوں اور فتویٰ فروش ملاؤں نے عوام کی ذہنی پسماندگی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سوشلزم کو عوام کے سامنے کفر اور الحاد کی بھیانک شکل میں پیش کیا ہے۔ ... جو لوگ اس تاریک سوچ کے لپیٹ میں نہیں آتے ... نام نہاد سوشلسٹوں کی علاقائی عصبیت کا شکار ہو کر رہ ... ہیں۔ ذہنی پسماندگی کا یہ عالم ہے کہ بعض لوگوں نے ... مصطفےٰ" جیسے مبہم نعرے پر اپنی جانیں دیوانہ وار ... کیں۔ جبکہ نظام مصطفےٰ کی اصطلاح اسلام کی چودہ سو ... تاریخ میں پہلی مرتبہ استعمال ہوئی ہے۔ اس نعرہ کے ... بھی نظام مصطفےٰ کی تشریح کرنے سے قاصر ہیں۔ یہ ... ایجنٹوں کے منہ سے ہوس اقتدار کی دیوانگی کے عالم ... ہوا بے معنی نعرہ ہے۔ بہرحال میں نے زیر نظر مضمون ... جن رکاوٹوں کا ذکر کیا ہے ان کے مضمرات جاننا ایک ... کی بات ہے۔

محمد مستنصر اسد

کے ساتھ ہی پیپلز پارٹی لاہور کے احمد علی صدیقی چیئرمین پی پی پی اچھرہ، بابا عمر چیئرمین پی پی پی بلال گنج لاہور اور محمد اسلم ڈسٹری بیوٹر بھی نظر بند ہیں۔

محمد مستنصر اسد کے علاوہ اعجاز حیدر وائس پریذیڈنٹ گورنمنٹ دیال سنگھ لاہور کو بھی تین ماہ کے لئے نظر بند کیا گیا ہے۔

محمد بشیر بھٹہ کو قذافی اسٹیڈیم میں بیگم بھٹو کے ساتھ پولیس کی زیادتیوں کے خلاف ساتھ دینے کے جرم میں گرفتار کیا گیا ہے۔ بشیر بھٹہ بیگم بھٹو کے دورہ گوجرانوالہ، شیخوپورہ اور قصور میں ان کے ہمراہ تھے اور قذافی اسٹیڈیم میں انہوں نے بیگم بھٹو اور بے نظیر بھٹو کی جگہ پر لاٹھیاں کھائیں اور زخمی ہوتے چنانچہ پولیس کو ان کی یہ جرأت پسند نہ آئی اور ان کی تلاش شروع کر دی اور بالآخر انہیں یونائیٹڈ کرسچین ہسپتال سے اس وقت گرفتار کر لیا جب کہ وہ بیگم بھٹو کی تیمارداری کے لئے گئے ہوئے تھے پولیس نے انہیں مارشل لاء ضابطہ نمبر ۵، ۹، ۱۰، ۱۳ کے تحت گرفتار کیا ہے اور کوٹ لکھپت جیل میں بند کر دیا ہے۔ ان کے علاوہ وسن پورہ لاہور کے طالب علم رہنما حافظ عبدالحیٔ بٹ وہ نوجوان طالب علم ہیں جن کی تصویر قذافی اسٹیڈیم کے واقعہ کے دوران بیگم بھٹو اور بے نظیر بھٹو کے درمیان ملک کے تمام سرکردہ اخباروں میں شائع ہوئی تھی۔ پولیس نے انہیں بھی ۱۷ تاریخ کو وسن پورہ سے اس تصویر کی بنا پر گرفتار کر لیا انہیں بھی مارشل لاء کے مختلف ضابطوں کے تحت

۶۰ مزدور شہید ۴۵۶ لاپتہ ۔ محمود نواز بابر

محمد ابرار شہید

محمد شفیق

ثناء اللہ

تاج محمد شہید

زخمی محمد بشیر

نامعلوم

جمعہ خان شہید

عبدالغفار

تحقیقات کا ڈھونگ اور گرفتاریاں

سرکاری طور پر مرنے والوں کی تعداد ۱۸ تک پہنچ گئی ۔ ادھر تحقیقات کا اعلان ہوا۔ ساتھ ہی مزدوروں کی گرفتاریاں بھی شروع کر دی گئی ہیں ۔ اب تک جن مزدوروں کی گرفتاری کی تصدیق ہو سکی ہے ۔ ان کے نام یہ ہیں ۔ محمد رمضان ولد پیارا ، نور دین ولد جان محمد، مجید ولد غلام محمد، یوسف ولد پیرو ، امیر علی ولد محمد اسماعیل ۔ محنت کشوں کی ہلاکت کے سلسلہ میں معلوم ہوا ہے کہ کچھ لاشیں کالونی کے علاقے کے گڑوں سے بھی نکالی گئی ہیں ۔ کالونی کے اندر اور باہر کی بستیوں میں لاتعداد مزدور اپنے عزیزوں کو تلاش کر رہے ہیں ۔ مرنے والوں کی تعداد کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ہر بستی میں دس پندرہ مزدور شہید ہوئے ہیں ۔

جمعہ خان شہید کے بچے گریہ کناں ہیں

ابرار شہید کے بچے اپنے ماموں کے ہمراہ

بقیہ • ملتان

ہوگیا جس کا نام معلوم نہیں ہو سکا۔ (اس کے علاوہ لاتعداد مزدور جو ہسپتال میں داخل نہیں کرائے گئے)

گرفتاریاں

ابھی تک یہ نہیں پتہ چل سکا کہ کتنے مزدوروں کو گرفتار کیا گیا ہے۔ ملز کے کینٹین مینجر شیخ رشید اور پرسنل مینجر کو پولیس نے گرفتار کر لیا ہے لیکن مزدوروں نے بتایا کہ پولیس نے انہیں ان کی کوٹھیوں سے بھی زیادہ سہولتیں دی ہوئی ہیں۔ اس کے علاوہ شہر سے پیپلز پارٹی کے لاتعداد کارکنوں کو گرفتار کیا گیا۔ گرفتار شدگان میں ایم اے گوہیر خورشید احمد خان، نذر حسین ندیم، چوہدری بشیر احمد عبدالستار قادری، میاں عبدالغفار، راؤ نذر حسین، صوفی اعظم اور صوفی عبدالستار شامل ہیں۔

۳ جنوری کو روز گھی ملز ملتان کے مزدوروں نے اپنے مزدور بھائیوں پر قیامت ٹوٹنے کی خبر سنتے ہی مل بند کر دی۔ شام کو ملتان کی ۳۰ مزدور انجمنوں اور یونینوں کا مشترکہ اجلاس ہوا جس میں آل پاکستان لیبر فیڈریشن پنجاب محنت کش محاذ ملتان، ورکرز آرگنائزنگ کمیٹی اور ان سے منسلک ٹریڈ یونینوں کا مشترکہ اجلاس ہوا۔ اجلاس کی صدارت محمود نواز بابر نے کی۔ اجلاس سے مزدور رہنما غیاث الدین مقبول انیس، ملک وارث، منظور حسین، ظہیر اور تاج نے خطاب کیا۔

چنانچہ فیصلہ کے مطابق آج ۴ جنوری کو گورنمنٹ ٹرانسپورٹ ملتان سے کوئی بھی بس اڈے سے باہر نہیں نکلی۔ جو ڈیرہ غازی خان سے آئی وہ ملتان روک دی گئی، جو لاہور سے آئی وہ ملتان رک گئی۔ اور اس طرح آمد و رفت کا ایک بڑا ذریعہ شہید مزدوروں کے سوگ میں بند ہوا۔ اُدھر پنجند ٹیکسٹائل ملز، گل ٹیکس، میٹل پیکجز، روز گھی ملز، بورے والا ٹیکسٹائل ملز بورے والا اسلانٹ فیکٹری بورے والا بند ہے۔

نشتر میڈیکل کالج کے طلبہ نے آج شہید مزدوروں کو خراج عقیدت پیش کرنے اور مزدوروں کی حمایت میں یوم سیاہ منایا اور بازوؤں پر سیاہ پٹیاں باندھیں۔

بار ایسوسی ایشن ملتان نے اتفاق رائے سے ایک قرارداد میں ہائی کورٹ کے جج سے تحقیقات کرانے اور مزدوروں کے مطالبات تسلیم کرنے کا مطالبہ کیا۔

شادی کی تقریب میں محنت کشوں کے لہو کا رنگ

مزدوروں نے بتایا کہ آج مغیث اے شیخ کی لڑکی کی شادی ہے اور یہ سارا خونی ڈرامہ شادی کی تقریب کو پُر وقار بنانے کے لئے رچایا گیا۔ کیونکہ اگر مزدور ہڑتال پر رہے تو شادی کی تقریب میں ناخوشگواری پیدا ہو سکتی ہے۔ کیونکہ شادی میں پورے ملک کے ممتاز صنعت کار، اعلیٰ سول و فوجی حکام کو بھی شریک ہونا تھا۔

شہید مزدوروں کے لئے دعائے مغفرت کی اور اس واقعہ کو دنیا کے چند خون آشام واقعوں سے تعبیر کیا۔ ہیں وہ یقیناً ایک دن غیر استحصالی معاشرہ قائم کرنے اور سرمایہ کو دفن کرنے کا موجب بنے گا

کھاد فیکٹری ملتان، پی آئی اے، اور گورنمنٹ ٹرانسپورٹ کے مزدوروں نے غائبانہ نماز جنازہ ادا کی اور احتجاجی جلسے کئے۔

مختلف تنظیموں کی طرف سے اظہارِ مذمت

یونائیٹڈ لیبر یونین گورنمنٹ ٹرانسپورٹ سروس ملتان کے صدر منظور حسین، پنجاب محنت کش محاذ کے جنرل سیکرٹری مقبول انیس ایڈوکیٹ۔ پی آئی اے یو پی آئی کے صدر اعجاز احمد چیمہ اور میر سلطان نے اپنے ایک مشترکہ بیان میں کالونی مل میں ہونے والے حالیہ سانحہ پر سخت غم و غصہ کا اظہار کیا اور کہا ہے کہ حالیہ سانحہ پنجاب کی مزدور تحریک میں سنہرے الفاظ سے لکھا جائے گا۔ مزدور اپنے خون کا نذرانہ دے کر ان استحصالی طبقوں کے خلاف جس نفرت کا اظہار کر رہے۔ انہوں نے واضح کیا کہ اس صورت حال میں ہم خاموش نہیں رہ سکتے۔ ہم مقامی ضلعی اور مارشل لاء حکام کو ایک ہفتہ کی مہلت دیتے ہیں کہ وہ۔

ہائی کورٹ کے جج سے اس واقعہ کی تحقیقات کرائے۔ اور اس سے پیشتر تمام ذمہ داران افسران کو معطل کرے اور تحقیقات کی روشنی میں ذمہ دار افسران کو سخت سزا دے۔

ان مزدوروں کے پسماندگان کی کفالت کا بندوبست کرے

کالونی مل کے مزدوروں کے مطالبات فی الفور تسلیم کرے۔

بصورت دیگر ممکنہ عملی اقدامات کرنے کا اعلان کیا اس سلسلہ میں پنجاب محنت کش محاذ کے ساتھیوں کی میٹنگ جلد ہی بلائی جا رہی ہے۔

انہوں نے مزید کہا کہ پاکستان میں نوکر شاہی کا کردار انتہائی گھناؤنا رہا ہے۔ اس نوکر شاہی نے ہمیشہ نہتے مجبور و بے بس عوام پر گولیاں برسائی ہیں۔ اور یہ اس وقت تک ہوتا رہے گا جب تک کہ اس کا موثر سدِ باب نہیں کیا جاتا۔

اس کے علاوہ مزدور مجلس عمل، نیشنل اسٹوڈنٹس فیڈریشن، ایجیک پی پی ایف یو، کھاد فیکٹری ورکرز یونین، آل پاکستان ٹریڈ یونین فیڈریشن، پیپلز پارٹی، سوشلسٹ پارٹی، مزدور کسان پارٹی، ریلوے ورکرز یونین، نشتر کالج کے طالب علم رہنماؤں میاں عبدالرشید، جلیل کامران نے کالونی ملز میں پولیس کی وحشیانہ فائرنگ کی مذمت کی ہے اور مارشل لاء حکام کی طرف سے قائم کردہ تحقیقاتی ٹیم پر عدم اعتماد کا اظہار کیا ہے اور مطالبہ کیا ہے کہ واقعہ کی تحقیقات ہائی کورٹ کے جج سے کروائی جائے۔ مغیث اے شیخ اور اس واقعہ میں ملوث حکام کو فوری طور پر گرفتار کیا جائے

ملتان کی ۳۲ مزدور تنظیموں پر مشتمل ورکرز ایکشن کمیٹی کے رہنماؤں نے مطالبہ کیا ہے کہ کالونی ٹیکسٹائل ملز ملتان کے قتل کے ذمہ دار افراد پر کھلی عدالت میں مقدمہ چلا کر سرِعام سزائے موت دی جائے اور ملز کے مالک میاں مغیث اے شیخ کو ملزم نمبر ایک کی حیثیت سے فوراً گرفتار کیا جائے۔ بیسیوں مزدوروں کی موجودگی میں ورکرز ایکشن کمیٹی کے رہنماؤں مسٹر ظہیر احمد تاج، محمود نواز بابر اور مقبول انیس نے ایک مشترکہ پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے الزام لگایا کہ فائرنگ سے چند گھنٹے قبل مل کے مالک نے مزدوروں سے کہا تھا کہ یہی بونس لینا ہے تو لے لو، ورنہ ایسا بونس دیں گے کہ ساری عمر یاد رکھو گے۔ انہوں نے الزام لگایا کہ زیادہ تر گولیاں مزدوروں کے پیٹ اور سینے میں لگی ہیں اور دو جگہ ہلکی مشین گن چلائی گئی۔ انہوں نے مطالبہ کیا کہ جن مطالبات کے لئے مزدوروں نے ہڑتال کی تھی انہیں فوراً تسلیم کیا جائے۔ مل انتظامیہ شہید مزدوروں کے ورثا کو ایک ایک لاکھ روپے معاوضہ ادا کرے۔ مل گیٹ کے سامنے شہید

یادگار کی تعمیر کی اجازت دی جائے۔ علاوہ ازیں شہید مزدوروں کے بچوں کو جوان ہونے تک اور ان کی بیواؤں کو تاحیات پنشن دی جائے۔ ان رہنماؤں نے اعلان کیا کہ ایک ہفتہ تک احتجاج جاری رہے گا اور اس دوران مزدور سیاہ پٹیاں باندھیں گے۔ انہوں نے کہا کہ فائرنگ کی تحقیقات مل کے احاطے کے باہر کی جائے۔

سیاسی کارکنوں کو کوڑوں کی سزا، مزدوروں کے قاتلوں سے چشم پوشی

مزدوروں کے خلاف وحشیانہ کاروائی پر قومی محاذ آزادی کے سربراہ معراج محمد خان کا بیان

قومی محاذ آزادی پاکستان کے کنوینر جناب معراج محمد خان نے اپنے ایک بیان میں ملتان میں پولیس کے ہاتھوں نہتے مزدوروں کے قتل عام پر اپنے غم و غصے کا اظہار کرتے ہوئے حکومت وقت کی لاپرواہی کی شدید مذمت کی ہے۔ انہوں نے کہا کہ فوری طور پر ہائی کورٹ کے جج کی سرپرستی میں سانحہ کی تحقیقات کرائی جائے اور تمام گرفتار شدہ مزدوروں کو فوری طور پر رہا کیا جائے۔

انہوں نے اس امر پر افسوس کا اظہار کیا ہے کہ موجودہ حکومت ایک طرف تو اسلام کی دعویدار ہے لیکن دوسری طرف پاکستان کے غریب محنت کش عوام کے حقوق کا تحفظ نہیں کر سکتی۔ انہوں نے کہا کہ ایک جانب موجودہ حکومت سیاسی کارکنوں کو سرعام کوڑے لگانے اور مارشل لا عدالتوں سے سزائیں دینے میں بہت پھرتی کا مظاہرہ کرتی ہے لیکن جب مزدوروں کسانوں اور وسیع تر عوام پر ظلم و تشدد اور استحصال کرنے والے طبقات کے احتساب کا وقت آتا ہے۔ تو وہ ان کے گھناؤنے جرائم سے چشم پوشی کرتی ہے اور انہیں تمام تر تحفظات مہیا کرتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ اگر حکومت اپنے موقف میں سچی ہے تو اس کا یہ فرض ہے کہ وہ فوری طور پر فوجی عدالتوں سے مزدوروں کا قتل عام کرنے والے تمام عناصر کو سزا دلوائے، سرعام کوڑے لگائے اور ملازمتوں سے برخواست کرے۔

انہوں نے کہا کہ گزشتہ تیس سال کے دوران اسی سانحہ کی طرح سابقہ حکومتوں نے بھی وقتاً فوقتاً سامراجیوں اور ان کے مقامی مٹھی بھر گماشتہ سرمایہ داروں کو خوش کرنے کے لیے محنت کشوں کا قتل عام کیا۔ اور آج بھی یہی سب کچھ ہو رہا ہے۔ درحقیقت اس صورتحال کی اصل ذمہ داری ملک کے نیم نوآبادیاتی، نیم جاگیردارانہ اور گماشتہ سرمایہ دارانہ ریاستی ڈھانچے، نظام اور ان سے وابستہ استحصالی طبقات پر عاید ہوتی ہے۔ جو ریاستی ڈھانچہ اور نظام ایک ہی روز میں (۱۸) اٹھارہ سے کہیں زیادہ محنت کشوں کا قتل عام کر سکتا ہے۔ اسے زندہ اور قائم رہنے کا کیا حق ہے۔ انہوں نے کہا۔ یہ ریاستی ڈھانچہ ہمارے تمام تر مصائب و آلام، قومی پسماندگی، وحشیانہ لوٹ کھسوٹ عوام کے قتل عام، بھوک بیروزگاری، عوامی حقوق کی پامالی سیاسی عدم استحکام اور ملک کی مکمل تباہی و بربادی کا ذمہ دار ہے۔ اگر ہم پاکستان کو بچانا چاہتے ہیں تو پھر ہمیں اس ریاستی ڈھانچے اور نظام کو ختم کرنا ہوگا۔ کیونکہ یہ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں اور ایک کی بقاء دوسرے کی تباہی پر منتج ہوتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ جو طاقتیں اس نظام کو قوت کے اداروں سے دوام بخشنا چاہتی ہیں۔ وہ پاکستان اور عوام کی کھلی دشمن ہیں اور جو بھی ان سے مفاہمت کرے گا ہم اس کے خلاف کسی قسم کی جدوجہد سے گریز نہیں کریں گے۔

انہوں نے پاکستان کے تمام محنت کشوں سے اپیل کی کہ ملک اور عوام کو مکمل تباہی سے بچانے اور آنے والے خطرناک حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے جلد از جلد متحد و منظم ہو جائیں۔ انہوں نے کہا کہ قومی محاذ آزادی یہ اعلان کرتی ہے کہ وہ قوم اور ملک دشمن موجودہ ریاستی ڈھانچے اور نظام کو ختم کرنے کے لیے کسی قسم کی جدوجہد سے گریز نہیں کرے گی۔ چونکہ اسی میں پاکستان اور اس کے عوام کی بقاء مضمر ہے۔

آخر میں انہوں نے اس اندوہناک سانحے میں شہید و متاثر ہونے والے مزدوروں کے خاندانوں سے اپنی مکمل ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے انہیں حمایت کا یقین دلایا۔

ملتان کے جیالو ہم تمہارے ساتھ ہیں

ورکرز آرگنائزنگ کمیٹی کے صدر عزیز الحسن، سیکریٹری محمد جعفر اور سیکریٹری اطلاعات محمد علی قادری کا بیان

ملتان میں جس سفاکی سے کالونی ٹیکسٹائل ملز میں نہتے اور پرامن مزدوروں کا قتل عام کیا گیا ہے پاکستان بھر کے عوام بالخصوص محنت کش عوام اس کو قابل نفرت گردانتے ہیں۔ یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ جب بھی مزدور اپنے جائز حقوق اور مطالبات کیلئے اپنی آواز بلند کرتے ہیں ان کو انتہائی تشدد اور سختی سے کچلا جاتا ہے۔ ملتان میں بھی مزدور پرامن طریقے سے اپنے معاشی مسائل کے لئے جدوجہد کر رہے تھے۔ مل مالکان نے پہلے تو اپنے کرائے کے غنڈوں کے ذریعے ان کو ہراساں کرنے کی کوشش کی بعد میں صورت حال سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے قانون نافذ کرنے والے اداروں اور پولیس نے مزدوروں پر اندھا دھند آنسو گیس لاٹھی چارج اور فائرنگ کی جس کے نتیجے میں بہت سے مزدور شہید ہوئے اور سینکڑوں زخمی ہوئے۔ پولیس نے تین گھنٹے تک فائرنگ کی۔ بعد میں ایک سرکاری ہینڈ آؤٹ کے ذریعے عوام کو یہ تاثر دینے کی کوشش کی گئی گویا کہ زیادتی مزدوروں کی تھی۔ یہ انتہائی گھٹیا حربے ہیں۔ پاکستان کے عوام اور بالخصوص محنت کش عوام اس کو انتہائی تشویش کی نظر سے دیکھتے ہیں اور اس کی مذمت کرتے ہیں اور مطالبہ کرتے ہیں کہ اس جنگلی فائرنگ کے تمام ذمہ داروں، غنڈہ گردی کرنے والوں اور ان کی پشت پناہ سرمایہ داروں کو عبرتناک سزائیں دی جائیں۔ مزدوروں کے خلاف تمام کارروائی ختم کی جائے، متاثرہ مزدوروں کو معاوضہ دیا جائے اور مزدوروں کے تمام مطالبات تسلیم کئے جائیں۔

ورکرز آرگنائزنگ کمیٹی ملتان کے جیالے مزدوروں کو اپنی مکمل حمایت کا یقین دلاتی ہے۔

ہم پاکستان کے ہر فرد سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ اس وحشیانہ قتل عام کی کھل کر مذمت کرے اور ملتان کے جیالے مزدوروں کے مطالبات کی حمایت کرے۔

طلبہ پر سے پابندیاں ختم کی جائیں ـ !

پاکستان سوشلسٹ پارٹی : صوبہ سرحد کے صوبائی کمیٹی کے توسیعی اجلاس مورخہ ۲۹ دسمبر میں مندرجہ ذیل قراردادیں باتفاق رائے منظور کی گئیں۔

پاکستان سوشلسٹ پارٹی سرحد ملک کو درپیش مختلف مسائل پر مندرجہ ذیل نظر رکھتی ہے ۔ اس بات کا اعادہ کرتی ہے کہ جب تک قراردادوں میں ذکر کیے گئے خطوط پر اقدامات نہیں کیے جاتے اس وقت تک پاکستان کے محنت کشوں اور خود پاکستان کے مسائل حل نہیں کیے جا سکتے۔ پارٹی کی نظر میں مندرجہ ذیل سیاسی معاشی، ثقافتی اقدامات حب الوطنی کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے فوری طور پر کرنے ضروری ہیں ۔

ملک میں منتخب سیاسی حکومت بحال کرنا وقت کا فوری تقاضا ہے ۔ چنانچہ پارٹی مطالبہ کرتی ہے کہ فوری طور پر نئے انتخابات کرائے جائیں۔ اور اقتدار منتخب نمائندوں کے حوالے کر دیا جائے۔

پارٹی سمجھتی ہے کہ محاسبے کے عمل کو بہانہ بنا کر ملک میں سیاسی و جمہوری عمل کو روکنا بذات خود اس عمل کو روکنے والوں کے محاسبہ کرنے کا تقاضا کرتا ہے ۔ کیونکہ پچھلے تیس۳۰ سالوں کے غیر جمہوری اقدامات نے ملک کے عوام کو لٹیروں کے حوالے کر رکھا تھا ۔ چنانچہ پارٹی مطالبہ کرتی ہے کہ ملک کے اندر سیاسی و جمہوری سرگرمیوں پر سے ہر قسم کی پابندی فوراً اٹھائی جائے ۔

پاکستان میں صوبائی خودمختاری کا مسئلہ تیس ۳۰ سال گزرنے کے بعد بھی پوری طرح طے نہیں کیا جا سکا۔ پارٹی سمجھتی ہے کہ موجودہ نظام کے اندر دی جا سکنے والی صوبائی خودمختاری ۱۹۷۳ء کے آئین میں متعین کی جا چکی ہے ۔ لیکن بھٹو حکومت کے دور میں اس پر کوئی عملدرآمد نہیں ہوا ! لہذا پارٹی مطالبہ کرتی ہے کہ ۱۹۷۳ء کے آئین میں دی گئی صوبائی خودمختاری پر عملدرآمد کی واضح ضمانت فراہم کی جائے۔

حب الوطنی کے تقاضوں کے مدنظر پارٹی سیاسی لیڈروں کی گول میز کانفرنس طلب کرنے کی تجویز کی حمایت کرتی ہے اور تجویز کرتی ہے کہ اس کانفرنس کا ایجنڈہ پہلے طے کر لیا جائے ۔ اور ملک کے پیچیدہ پیچیدہ مسائل جس میں ملک کے محنت کش عوام کی حالت کو بہتر بنانے اور مفاد پرست طبقات کی ریشہ دوانیوں کو ختم کرنے اور پاکستان کی خوشحالی کے لیے تجاویز شامل ہوں کیونکہ پارٹی سمجھتی ہے کہ جب تک محنت کش عوام کے مسائل حل نہیں ہوتے ۔ ملک ترقی نہیں کر سکتا ۔ پارٹی تجویز کرتی ہے کہ اس کانفرنس میں بائیں بازو کی تمام جماعتوں کو نمائندگی دی جائے ۔

مارشل لاء انتظامیہ کی طرف سے سیاسی کارکنوں کو کوڑوں کی سزا کسی بھی طرح مناسب نہیں سمجھا جا سکتا ۔ اور موجودہ دور میں سیاسی کارکنوں کو کوڑوں کی سزا دینا انسانیت کے تقاضوں کے منافی ہے ۔ چنانچہ پارٹی مطالبہ کرتی ہے ۔ کہ کوڑوں کی سزا دینا فوراً منسوخ کیا جائے ۔

پاکستان سوشلسٹ پارٹی کا ہمیشہ سے یہ نقطہ نظر رہا ہے کہ پاکستان کا سیاسی بحران اس کے معاشی بحران کا نتیجہ ہے ۔ چنانچہ جب تک پاکستان کی معیشت کو بہتر بنیادوں پر استوار نہیں کیا جائے گا تب تک پاکستان مستقل طور پر سیاسی بحران کا شکار رہے گا ۔ معاشی بحران کو حل کرنے کے لیے پارٹی مندرجہ ذیل اقدامات تجویز کرتی ہے ۔

پاکستان کی تمام اراضی قومی ملکیت میں لے کر خود کاشت اور گزارہ یونٹ کی بنیاد پر از سر نو تقسیم کر دی جائے اور زرعی پیداوار کے فروغ اور ترقی کے لیے کھاد بیج پانی اور زرعی مشینری کی فراہمی کے لیے فوری منصوبہ بندی کی جائے۔ سرزمین کمیٹیوں کے ذریعے کوآپریٹو فارم قائم کیا جائے ۔ تاکہ نجی ملکیت والے کاشتکاروں کو کوآپریٹو کی طرف متوجہ کیا جا سکے اور اسی طرح زرعی پیداوار کو بڑھایا جا سکے۔

پاکستان کی تمام بنیادی اور بڑی صنعتیں فوری طور پر قومی تحویل میں لی جائیں ۔ اور ان کا انتظام ٹریڈ یونین کمیٹیوں کے سپرد کیا جائے ۔ کیونکہ ملک کے محنت کش مزدور پاکستان اور خود اپنی خوشحالی کے تقاضوں کو نوکر شاہی کے مغرب زدہ سرمایہ داری نظام کے حامی افسروں سے زیادہ بہتر طور پر سمجھ سکتے ہیں اور اپنی سرزمین کی بہتری کے لیے نوکر شاہی سے بہتر منصوبہ بندی کر سکتے ہیں ۔

پاکستانی میں ہر قسم کی اندرونی اور بیرونی تجارت سرکاری تحویل میں لے لی جائے ۔ تاکہ ایک طرف عوام لٹیرے تجارتوں کی منافع خورانہ پالیسیوں سے بچ سکیں تو دوسری طرف بیرونی تجارت سے کمایا ہوا زرمبادلہ خود پاکستان کی ترقی میں استعمال ہو سکے ۔ نہ کہ چند سرمایہ دار خاندانوں کی غیر ملکوں میں عیاشی کے لیے۔

پاکستان میں لگا ہوا تمام غیر ملکی سرمایہ قومی تحویل میں لیا جائے ۔ اور تمام غیر ملکی قرضے واپس کرنے سے انکار کر دیا جائے ۔ کیونکہ سامراجی ملکوں سے سرمایہ کی درآمد نے نہ صرف پاکستان کی معیشت کو ٹٹ پونجیہ معیشت بنا کر چھوڑا ہے ۔ بلکہ اس کے ساتھ ساتھ سامراجی ملکوں کی ثقافتی یلغار نے بھی پاکستان کی نئی نسل کو بے راہروی کا شکار بنا دیا ہے۔

پاکستان کے جاگیرداری نظام اور نیم سرمایہ داری اور جدید نوآبادیاتی نظام کے استحصال نے پاکستان کے عوام کو لوٹ کا شکار بنا رکھا ہے ۔ مہنگائی اور بیروزگاری اس ننگی لوٹ کا لازمی نتیجہ ہے ۔ سرمایہ داری نظام کم سے کم اجرت پر مزدور حاصل کرنے کے لیے بیروزگاروں کی بہت بڑی تعداد قائم رکھتا ہے ۔ اور مہنگائی منافع خوروں کی لوٹ کا لازمی نتیجہ ہے ۔ پارٹی سمجھتی ہے کہ بیروزگاری اور مہنگائی سرمایہ داری، جاگیرداری نظام اور جدید نوآبادیاتی استحصال کے خاتمے سے ختم ہو سکتے ہیں۔ لیکن پھر بھی اشیاء خوردنی کی قیمتوں کا تعین کرنے اور ہر شخص کے لیے روزگار کی ضمانت فراہم کرنے سے محنت کش عوام کا کسی حد تک مداوا کیا جا سکتا ہے ۔

عالمی سرمایہ دار منڈی سے پاکستان کی وابستگی ختم کر کے سوشلسٹ برادری کی منڈی سے تعلق جوڑا جائے ۔ کیونکہ سوشلسٹ مارکیٹ پاکستان کے مال کی صحیح قیمت ادا کرتی ہے ۔ اور مزید براں چونکہ سوشلسٹ ممالک افراط زر کا شکار نہیں ہیں ۔ جبکہ سرمایہ دار ممالک افراط زر کے شکار ہیں ۔ سرمایہ دار منڈی کے ساتھ وابستگی سے سرمایہ دار ممالک اپنے افراط زر کے اثرات پاکستان کو منتقل کرتے ہیں ۔ لہذا پاکستان جہاں اپنے مال کے

صحیح دام وصول کرے گا۔ وہاں افراطِ زر کے بیرونی اثرات سے بھی نجات پا سکے گا۔

پاکستان سوشلسٹ پارٹی ہمیشہ اس بات کی حامی رہی ہے کہ پاکستان خارجہ تعلقات میں غیر وابستگی کی پالیسی اختیار کرے۔ پاکستان کے پچھلے حکمرانوں نے پاکستان کو امریکی بلاک سے وابستہ کر کے اور سامراجی معاہدوں میں شامل کر کے ملک و قوم کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا۔ مزید براں پاکستان نے سامراجی معاہدوں سے وابستگی کے نتیجہ میں کسی فائدے کے بجائے ہمیشہ نقصان اٹھایا ہے۔ چنانچہ پارٹی مطالبہ کرتی ہے کہ :-

پاکستان سنٹو کے معاہدے سے فوراً قطع تعلق کرے۔

پاکستان امریکی دفاعی معاہدے ختم کیے جائیں۔

سوشلسٹ غیر وابستہ اور ہمسایہ ممالک سے تعلقات کو بہتر بنیادوں پر استوار کیا جائے۔

پاکستان قومی آزادی کی تحریکوں کی امداد اور بھرپور حمایت کرے۔ اور نسل پرستی کے خلاف تحریکوں کی بھی بھرپور حمایت کرے۔

عالمی امن کے سلسلے میں پاکستان مثبت رول ادا کرتے ہوئے قوموں کے درمیان بھائی چارے کی فضا کو بہتر بنانے کا کام سرانجام دے۔

پاکستان سوشلسٹ پارٹی سمجھتی ہے کہ پاکستان کے تعلیمی نظام کو قومی تقاضوں سے ہم آہنگ کیا جائے۔ اور سائنسی بنیادوں پر استوار کیا جائے۔ چنانچہ پارٹی مندرجہ ذیل اقدامات تجویز کرتی ہے۔

تعلیمی نصاب کو سائنسی بنیادوں پر استوار کیا جائے اور سائنسی نظریات کو تعلیمی نصاب کی بنیاد پر قدامت پرست نظریات سے چھٹکارا حاصل کیا جائے۔

ٹیکنیکل اور فنی تعلیم کو لازمی قرار دیا جائے اور زرعی تعلیم کو بھی لازمی مضمون کی حیثیت سے نصاب میں شامل کیا جائے۔

میٹرک تک تعلیم مفت اور ہر شہری کے لیے لازمی قرار دی جائے۔ کالج اور یونیورسٹی کے سطح پر غیر وسائل یافتہ طلبار کی امداد کے لیے جامع اسکیمیں مرتب کی جائیں تاکہ زیادہ سے زیادہ طلبار اعلیٰ تعلیم کے زیور سے آراستہ ہوں۔

انگریزی کی جگہ اردو کو ذریعہ تعلیم بنا دیا جائے اور سائنسی اور سماجی علوم کو چاروں صوبوں کی مادری زبانوں میں منتقل کرنے اور جلد از جلد میٹرک تک نصاب تعلیم مادری زبانوں میں اختیار کرنے کے لیے اکیڈمیاں قائم کی جائیں۔

تعلیم میں طبقاتی امتیازات ختم کرنے کے لیے انگریزی اسکولوں کو اردو سکولوں میں تبدیل کیا جائے تاکہ حصول تعلیم میں ہم آہنگی ہو۔

منفرد مسائل پر قراردادیں

اساتذہ کی کم از کم تنخواہ -/۸۰۰ روپے مقرر کی جائے۔

مزدوروں کی کم از کم تنخواہ -/۶۰۰ روپے ماہوار کی جائے۔

این ڈی وی پی لیکچررز کی ملازمتوں کو مستقل کر دیا جائے اور نئی اسامیاں اس وقت تک نہ مشتہر کی جائیں جب تک موجودہ این ڈی وی پی کو مستقل نہ کر دیا جائے

محکموں اور کارخانوں سے جو چھانٹیاں کی جا رہی ہیں وہ فوراً بند کی جائیں۔ اور برطرف شدہ مزدوروں کو بحال کیا جائے۔

صوبہ سرحد میں تمام بند کارخانے فوراً چالو کیے جائیں۔

ہشت نگر انڈسٹریز

مزدوروں کو کبھی اللہ اور کبھی مارشل لاء کا حوالہ دیا جاتا ہے!

ارشد خان، ورکرز آرگنائزنگ کمیٹی

ہشت نگر انڈسٹری، پاکستان اسٹیل ملز میں فیبریکیشن کا کام کرنے والی کمپنی ہے۔ تقریباً ڈھائی سو مزدور کام کرتے ہیں۔ اس کو دیکھ کر کسی بیگار کیمپ کا گمان گزرتا ہے۔ مزدور ہر قسم کی سہولتوں سے محروم ہیں۔ وقت پر تنخواہ نہیں ملتی۔ جبراً اوور ٹائم لیا جاتا ہے۔ کینٹین کا کوئی بندوبست نہیں۔ ٹرانسپورٹ کا خاطر خواہ انتظام نہیں۔ طبی سہولت کا نام و نشان نہیں۔ ملازمت کا تحفظ نہیں۔ رہائش کی سہولت نہیں۔ تمام مشینیں بجلی سے چلنے والی ہیں مگر حفاظتی اقدام کی ضرورت آج تک محسوس نہیں کی گئی ہے ویلڈروں کو ربڑ کے دستانے تک نہیں ملے۔ اہم اور بنیادی مسئلہ تنخواہوں کی بروقت ادائیگی ہے۔ ٹھیکیداروں کی شکل میں غنڈے مسلط ہیں۔ جو وقت پر تنخواہ ادا نہیں کرتے۔ کمپنی کا مینیجر بہانہ بنا دیتا ہے۔ مزدور اپنی فریاد لے کر پولیس کے پاس جاتے ہیں تو لیبر کورٹ جانے کا مشورہ دیا جاتا ہے۔ اور لیبر کورٹ کے پاس اس مسئلہ کا کوئی حل نہیں۔ مینیجر اس قدر چالاک اور انتظامیہ کا بہی خواہ ہے کہ وہ مزدوروں کے ہر مسئلہ کے جواب میں کبھی اللہ اور کبھی مارشل لاء کا حوالہ دے کر خاموش کر دیتا ہے۔ کمپنی کے تین افراد وحید سلمان، امداد خان اور مشتاق احمد کو کسی نوٹس کے بغیر برطرف کر دیا گیا۔ کینٹین کی سہولت اس لیے نہیں ہے کہ انتظامیہ کنٹریکٹر کی رقم ادا نہیں کرتی۔ متعدد ٹھیکیداروں کی رقم بھی باقی ہے۔ اس لیے کوئی ٹھیکیدار کینٹین کا ٹھیکہ نہیں لیتا۔ ٹرانسپورٹ کی سہولت صرف ایسے مزدوروں کو ملتی ہے جو بلا معاوضہ چار گھنٹے اوور ٹائم کرتے ہیں۔ طبی سہولت کے فقدان کا یہ عالم ہے کہ ذوالفقار، محمد سعید، محمد فہیم اور شاہد کو بجلی کا جھٹکا لگا۔ مگر انہیں کوئی طبی سہولت نہ مل سکی۔ محمد اسماعیل کا پیر زخمی ہو گیا، محمد علی فٹر کا ہاتھ زخمی ہو گیا ایک گیس کٹر کا ہاتھ دستانے نہ ہونے کی وجہ سے جل گیا مگر انتظامیہ نے انہیں علاج معالجہ کے لیے کوئی رقم نہ دی۔ متعدد مزدوروں کو کسی جواز کے بغیر برطرف کر دیا گیا۔ اور ان کے بقایا جات بھی ادا نہیں کیے گئے۔ مثال کے طور پر محمد اسماعیل، محمد ایاز خان، ارشد خان، محمد شہباز خان، شوکت محمود شاد، جمشید علی خان، جہانگیر علی خان، مشتاق احمد، ممتاز خان، محمد بشیر، محمد نواز، افتخار الدین بٹ کو کمپنی سے نکال دیا گیا اور انہیں ان کے بقایا جات بھی ادا نہیں کیے گئے۔ کمپنی میں ان حالات سے مزدوروں میں سخت بے چینی پائی جاتی ہے۔ اس لیے ضرورت ہے کہ کمپنی کے ان حالات کی فوری تحقیقات کرائی جائے۔ اور جو لوگ حالات بگاڑنے کے ذمہ دار ہیں ان کے خلاف بلا تاخیر کارروائی کی جائے۔

سالِ نو کا سورج محنت کشوں کے خون میں ڈوب کر طلوع ہوا

پشاور
شہزاد غزنوی

سرحد میں گرفتار ہونے والوں کی تعداد ایک ہزار تک پہنچ گئی

آج ۵ جنوری ہے۔ نئے سال کا پانچواں دن۔ سالِ نو کا سورج ملتان میں محنت کشوں کے خون میں ڈوب کر طلوع ہو چکا ہے۔ میں سوچتے ہوئے گھر سے نکلتا ہوں۔ ویگن میں سوار ہو کر شہر روانہ ہوتا ہوں۔ اچانک بریک لگتی ہے ڈرائیور بڑبڑاتے ہوئے گاڑی روک دیتا ہے۔ مسلح پولیس کا ایک دستہ ویگن کو چاروں طرف سے گھیر لیتا ہے۔ "طالب علم کون ہے"۔ سب کے چہروں کو گھورتے ہوئے ایک پولیس آفیسر پوچھتا ہے۔ ویگن سے کوئی جواب نہیں ملتا۔ سوال دوبارہ دہراتا ہے لیکن کون ہاں میں سر ہلاتا۔ تیسری بار سوال کے ساتھ ہی اس کا ہاتھ ایک دو نوجوان لڑکوں کے گریبان کی طرف بڑھتا ہے "تم نیچے اترآؤ"۔ "جی میں موٹر مکینک ہوں۔ کام پہ جا رہا ہوں"۔ "کل چلے جانا" پولیس افسر جواب دیتا ہے۔ اور انہیں نیچے کھینچ لیتا ہے۔ گاڑی آگے بڑھتی ہے۔

امریکی اطلاعات کے دفتر کے سامنے مسلح پولیس کھڑی ہے۔ اندر بھی باہر بھی۔ صدر روڈ پر ملیشیا قطار اندر قطار کھڑی ہے۔ پولیس کے جوان نئی وردیوں میں تازہ دم ان کے ہراول دستے کے طور پر ساتھ ہیں۔ ریلوے روڈ، مال روڈ کے چوراہے پر سات ٹرک کھڑے ہیں۔ ان میں ملیشیا کے نوجوان ہیں۔ ذرا آگے بڑھتا ہوں۔ جناح پارک میں پاکستان مسلح افواج کے سپاہی خیمہ زن ہیں۔ سامنے بابا سبز پیر کے مزار کے قریب پولیس کا پہرہ ہے۔ یادگار چوک، قصہ خوانی خیبر بازار، ہسپتال چوک، جی ٹی روڈ ہر طرف مسلح پولیس ملیشیا کھڑی ہے کہیں کہیں چھتوں اور چوراہوں پر مورچہ بندی کی گئی ہے۔ ایک خوف کی لہر رگ و ریشے میں دوڑ جاتی ہے۔ ہر آنکھ پریشاں ہر دل وسوسے سے بھرا ہوا تھا۔

اچانک نہ جانے کس طرف سے عورتوں کا ایک جتھہ (تقریباً ۱۰۰ / سو اسو) پیر سبز بابا کے مزار پر پہنچ جاتا۔ اونگھتی ہوئی پولیس ہڑبڑا کر اپنے نئے ڈنڈے جو آج کے لئے منگوائے گئے ہیں سنبھال کر عورتوں کی سمت بھاگتی ہے عورتیں قرآن خوانی کرنا چاہتی ہیں۔ پولیس انہیں روکتی ہے عورتیں قرآن خوانی کے لئے اصرار کرتی ہیں۔ پولیس جس کا رویہ انتہا پسندانہ ہے۔ وہ خوفناک ارادوں سے آگے بڑھتی ہے۔ عورتیں اپنی جگہ سے نہیں ہلتیں۔ لیکن کب تلک۔ عورتیں منتشر ہو جاتی ہیں۔

مسجد مہابت خان اور قریب کی دوسری مسجدوں کے دروازے بند ہیں۔ باہر پولیس کا مسلح پہرہ ہے۔ نمازی اندر داخل نہیں ہو سکتے۔ خدا اور بندوں کے رشتے ٹوٹ رہے ہیں۔ مزاروں۔ خانقاہوں پر پولیس کا قبضہ ہے۔ یادگار کے چاروں طرف پولیس کی گرفت مضبوط ہے۔ چار آدمی بھی اکٹھا نہیں ہو سکتے۔ کوئی عورت نظر آئے تو سب ایک دم چوکنا ہو جاتے ہیں۔ اچانک بھگدڑ مچ جاتی ہے نہ جانے کس سمت سے بیس پچیس عورتیں ہاتھوں میں بینر لئے نعرے لگاتی قصہ خوانی بازار میں داخل ہو جاتی ہیں۔ پولیس گھبراہٹ میں "اعلیٰ اخلاق" کا مظاہرہ کرتی ہے۔ عورتیں گرفتار کی جا رہی ہیں۔ مارشل لاء نے کہا تھا عورت تھانے نہ جائے گی۔ چادر اور چار دیواری کی دیوی گرفتار کر کے تحصیل پولیس ہیڈ کوارٹرز پہنچا دی جاتی ہیں۔ ان کے جذبے میں فرق نہیں آتا۔ ان کے شوہر، بھائی، باپ پہلے ہی قید ہیں۔ وہ بھٹو جیسے کے نعرے لگاتی ہیں۔ قیدیوں کو رہا کرو جمہوریت بحال کرو، تشدد بند کرو، کی آوازیں پولیس ہیڈ کوارٹرز سے بھی باہر آ رہی ہیں۔ پولیس لاٹھی چارج کرتی ہے۔ ۷۰ سے زیادہ کارکن گرفتار کر لیے ہیں۔ پہلے ہی سرحد سے گرفتار لوگوں کی تعداد ہزار سے اوپر ہو چکی ہے۔ پشاور پی پی پی کا ہر کارکن نظر بند ہے۔ وارڈ کمیٹیوں کے صدر، سیکرٹری اور جیالے کارکن۔ مظاہرہ ہوتا ہے۔ پولیس لاٹھی چارج کرتی ہے مظاہرہ پھر بھی ہوتا ہے اقلیتوں کی عورتیں مظاہرہ کرتی ہیں۔ مظاہرین منتشر کر دیئے جاتے ہیں۔ یوم جمہوریت منایا جاتا ہے۔ سرکاری پریس نوٹ ہر طرف امن کی خبریں دیتا ہے

صوبہ سرحد میں پاکستان پیپلز پارٹی کے گرفتار شدگان میں سے سنٹرل جیل پشاور میں پرویز رشید، ظفر صراف، سعید احمد خان، ظہور الحسن، نور احمد ایڈووکیٹ، عبدالواحد ایڈووکیٹ، میاں مظفر شاہ ایڈووکیٹ، قیصر خان ایڈووکیٹ، سرفراز خان، رحیم داد خان، عبدالاکبر خان، خواجہ عبدالمالک محمد یاسین، ڈاکٹر عبدالروف، فاکر اللہ خان، فرمان اللہ میر حیدر خان، اسرار خان، مراد خان کاکشال، اورنگزیب خان میر خادم علی، ڈاکٹر ناز درانی، ضیا احمد بابر، منظور احمد، قمر عباس، میر نذیر ارشاد، ملک خادم حسین، ظفر محبوب، امیر خسرو خان، محبوب علی محبوب، غلام صابر، ملک نڈاور خان، ملک محمد اشرف ہیں۔

ہری پور جیل میں میر احمد بلبل، ظفر قریشی ایڈووکیٹ حنیف خان جنرل سیکرٹری، سیف الرحمان کیانی، سابق اسپیکر سرحد اسمبلی غلام رسول اعوان، اعظم آفریدی تاج برکی، فرمان اللہ، ڈاکٹر مختار ہیں۔

یہ بھی ایک پہلو ہے

پیپلز پارٹی کی گرفتاریوں اور نظر بندیوں کے سلسلے میں بعض دلچسپ واقعات بھی دیکھنے میں آئے۔ کچھ لوگوں کو تو حکومت نے نظر بند کیا ہے۔ کچھ خواتین ایسی بھی ہیں جنہوں نے از خود اپنے آپ پر نظر طاری کر رکھی ہے۔ انہیں میں سے ایک بیگم طلعت ہیں جن کے بارے میں مشہور ہے کہ نظر بند ہیں لیکن گذشتہ روز وہ قرآن خوانی کی تصویریں چھپوانے کے لئے مختلف اخبارات کے دفاتر میں دیکھی گئیں۔

محمود شام پر حملہ، آزادئ اظہار پر حملہ ہے

پاکستان فیڈرل یونین آف جرنلسٹس کے صدر اور اپنک کے چیئرمین مسٹر منہاج برنا اور کے یو جے کے صدر مسٹر مرزا اسماعیل نے ہجامعہ کراچی میں ہفت روزہ معیار کے ایڈیٹر اور مساوات، کراچی کے فوٹوگرافر پر طلباء کی ایک مخصوص تنظیم سے تعلق رکھنے والے ایک گروپ کی جانب سے حملے کی سختی سے مذمت کی ہے۔

انہوں نے ایک مشترکہ بیان میں کہا ہے کہ اس حملے کے نتیجے میں مسٹر محمود شام کے دائیں بازو کی ہڈی ٹوٹ گئی اور متعدد زخم آئے۔ ان کی کار کو بھی بری طرح نقصان پہنچایا

گیا۔ انہوں نے مساوات کے فوٹوگرافر حسن سنگرامی کو بھی پکڑ کر زدوکوب کیا اور ان کے کیمرے کو توڑ پھوڑ دیا۔ یہ تمام باتیں کسی اشتعال کے بغیر کی گئیں۔ دونوں صحافی "جمہوریت" کے عنوان سے ایک مذاکرے میں شرکت کے لئے یونیورسٹی گئے تھے جو طلباء کی ایک تنظیم کی جانب سے انتظام کیا گیا تھا۔

اطلاعات کے مطابق طلباء تنظیم کے اس مخصوص گروپ نے مذاکرہ نہ ہونے دیا۔ لاؤڈ اسپیکر اور مائک کو تہس نہس کر دیا گیا اور بینر پھاڑ دیئے گئے۔

"ہم اس رویئے کی سختی سے مذمت کرتے ہیں جو فاشی رجحان اور عدم رواداری کی نشان دہی کے ساتھ ساتھ جمہوری اصولوں اور اقدار کی نفی کرتا ہے۔ کسی ایڈیٹر یا صحافی پر حملہ، اس بات سے قطع نظر کہ اس ہفت روزہ یا اخبار کی کیا پالیسی ہے براہ راست آزادئ اظہار اور آزادئ پریس پر حملہ اور قومی مفادات کے سراسر منافی ہے۔ آزادی اور جمہوریت پر یقین رکھنے والوں نے اگر اس رجحان کو موثر طور پر نہ روکا تو کوئی ایڈیٹر اور صحافی محفوظ نہیں رہے گا اور مستقبل میں آزادئ پریس کا خواب معدوم ہو جائے گا۔ مخصوص طلباء تنظیم کے گروپ کی غنڈہ گردی کی وجہ سے ایک اعلیٰ درس گاہ کا تقدس بھی پامال ہوا۔

ہمیں یقین ہے کہ پریس اور پریس کے کارکنوں پر اس قسم کے حملے کی تمام سیاسی پارٹیوں، طلباء تنظیموں کی جانب سے جو ملک میں جمہوری معاشرے کے قیام اور فروغ کیلئے سرگرم ہیں سختی سے مذمت کی جائے گی۔ حکام کو چاہیئے کہ وہ قانون شکنی کے واقعات کا سختی سے نوٹس لیں، اور ملزموں کو سزا دیں"۔

بقیہ: نصرت بھٹو

نیپ کو پاکستان دشمن جماعت قرار دیا۔ کالعدم نیپ کے بارے میں یہ ریفرنس ابھی تک برقرار ہے۔ لیکن کالعدم نیپ کے صدر کو محب وطن کہا جا رہا ہے۔ ولی خان کہتے ہیں کہ انہوں نے کبھی "پختونستان" کی بات نہیں کی جبکہ طورخم کی زنجیر کو جہلم پر لگانے کی بات ابھی تک ریکارڈ پر موجود ہے۔ میں پوچھتی ہوں کہ ولی خان کی "پاکستان دشمنی" کے بارے میں انٹیلی جنس کی رپورٹ کس نے دی تھی ولی خان گزشتہ تیس سال سے پختونستان کی باتیں کر رہے ہیں لیکن اب مکر گئے ہیں۔ شیخ مجیب بھی بنگلہ دیش کے قیام سے قبل یہی کہتا تھا کہ وہ پاکستان سے علیحدہ ہونا نہیں چاہتا لیکن جب اس نے بنگلہ دیش کی سرزمین پر پہلا قدم رکھا تو کہا "میرا وہ خواب شرمندہ تعبیر ہو گیا جس کے لیے میں تمام زندگی کام کرتا رہا ہوں"۔ ولی خان بھی شیخ مجیب کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔ اور وقت آنے پر وہ اپنا باطن ظاہر کر دیں گے"۔

ہمارا آخری سوال یہ تھا کہ پیپلز پارٹی نے روٹی کپڑے اور مکان کا نعرہ دیا تھا۔ آئندہ انتخابات میں کونسا نعرہ دیا جائیگا؟ پیپلز پارٹی کی قائم مقام چیئرمین نے بتایا کہ "یہی سلوگن رہے گا۔ کیونکہ پیپلز پارٹی اپنے دور اقتدار میں اس سلوگن پر صرف دو تہائی عمل درآمد کر سکی۔ باقی ایک تہائی معاملہ باقی ہے۔ پانچ، ساڑھے پانچ سال کی مختصر مدت میں ساڑھے سات کروڑ عوام اور ملک کو خوشحال نہیں بنایا جا سکتا۔ اتنے عظیم منصوبے اور مشن بٹن دباتے ہی مکمل نہیں ہو جاتے۔ محنت کرنی پڑتی ہے۔ بھٹو صاحب نے ہر روز اٹھارہ اٹھارہ گھنٹے کام کیا۔ ملک کو ترقی کی راہ پر گامزن کیا۔ انہیں اپنا یہ مشن مکمل کرنے کے لیے مزید ۵ سال درکار تھے۔ انہوں نے یہی بات اسمبلی میں بھی کہی تھی۔ لیکن اب چھ ماہ میں ملک کی اقتصادیات کو ۱۵ سال پیچھے کی طرف دھکیل دیا گیا ہے۔ اس سال ہم گندم میں خود کفیل ہو جاتے لیکن اس معاملے میں بھی ملک ۹ سال پیچھے چلا گیا ہے چنانچہ اب ہمیں اور عوام کو ملک کو ترقی کی راہ پر ڈالنے کے لیے از سر نو کوشش کرنی پڑے گی"۔

بقیہ: لاہور

گھسیٹ کر دین تک لایا جاتا اور دین میں پھینک دیا جاتا اور دین میں موجود سپاہی بھی زدوکوب کرتے۔

پیپلز پارٹی کی خواتین کارکنوں نے داتا دربار میں قرآن خوانی کی۔ داتا دربار پر بھی پولیس کے کئی دستے متعین تھے۔ زنانہ پولیس بھی موجود تھی۔ چند خواتین قرآن خوانی کے بعد پلے کارڈ لیے ہوئے گیٹ پر نمودار ہوئیں لیکن زنانہ پولیس نے انہیں اندر دھکیل دیا۔

۵ جنوری کو لاہور کے صنعتی اداروں میں مزدوروں کی حاضری بہت کم تھی۔ مقامی انتظامیہ کا خیال تھا کہ زبردست رن اسی علاقے میں پڑے گا۔ اسی لیے شہر کی نسبت صنعتی علاقے میں پولیس کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ اتحاد کیمیکل کے مزدور رہنما محمد انور کو پولیس نے ۸ بجے صبح گرفتار کیا۔ جس سے مزدوروں میں بے چینی پیدا ہو گئی۔ اور انہوں نے ساڑھے بارہ بجے الٹی میٹم دیا کہ اگر محمد انور کو دس منٹ میں رہا نہیں کیا گیا تو نہ صرف ٹریفک روک دی جائیگی بلکہ بعد میں جو کچھ ہوگا اس کی ذمے دار لاہور کی انتظامیہ ہوگی۔ مزدوروں